اِسلامی تصوّف

میں غیر اِسلامی نظریات کی آمیزش

تالیف:

پروفیسر یُوسف سلیم چشتی

شائع کردہ:

مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور (رجسٹرڈ)

۱۲- افغانی روڈ، سمن آباد - لاہور

(فون: ۴۱۳۹۴۵)

اسلامی تصوّف

میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش

تالیف:

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور (رجسٹرڈ)
۱۲- افغانی روڈ، سمن آباد - لاہور
(فون: ۴۱۳۹۴۵)

★

بارِ اوّل ــــــــ شوّال المکرّم ۱۳۹۶ھ / اکتوبر ۱۹۷۶ء ــــــــ ۱۰۰۰

★

طابع ــــــــ چوہدری رشید احمد

مطبع ــــــــ مکتبہ جدید پریس
شارع فاطمہ جناح۔ لاہور

ناشر ــــــــ ڈاکٹر اسرار احمد

مقامِ اشاعت ــــــــ مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور
۱۲۔ افغانی روڈ، سمن آباد، لاہور

قیمت فی نسخہ ــــ ۵/ روپے (محصول ڈاک علاوہ)

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

از قلم ــــــــــــ مولانا امین احسن اصلاحی

یہ مقالہ ہمارے محترم دوست، پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی ایک غیر مطبوعہ کتاب کا ایک باب ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کو میثاق کے صفحات میں شائع کیا گیا تو میثاق کے قارئین اور دوسرے علمی و مذہبی حلقوں میں نہایت پسند کیا گیا۔ یہاں تک کہ اس کے قدر دانوں کے شدید اصرار پر اب اس کو کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے ــــ پروفیسر صاحب موصوف کے متعلق یہ بات اس مقالہ کے پڑھنے والوں کے علم میں رہنی چاہیئے کہ وہ تصوّف کے مخالفوں میں نہیں بلکہ اس کے پُرزور حامیوں میں ہیں۔ مذکورہ بالا کتاب، جس سے یہ مقالہ لیا گیا ہے، تصوّف کی حمایت اور اس کے مبادی و مقاصد کی وضاحت ہی میں موصوف نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے لکھی ہے۔ وہ خود ایک سلسلۂ تصوّف میں مرید، مزاجاً صوفی اور تصوّف پسند ہیں۔ لیکن اس کوچہ کی عام روایت کے خلاف ان کے اندر دو باتیں قابلِ رشک بلکہ قابلِ تقلید ہیں۔ ایک یہ کہ ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ دوسری یہ کہ وہ وسعت مطالعہ کے ساتھ نہایت گہری تنقید کی صلاحیت کے بھی مالک ہیں اور یہ دونوں وصف بیک وقت کسی شخص، بالخصوص ایک صوفی مزاج شخص میں مشکل ہی سے جمع ہوتے ہیں۔

میں خود اس مقالے سے غایت درجہ متاثر ہوا ہوں۔ ارباب تصوّف کی چیزیں پڑھتے ہوئے مجھے ہمیشہ ان کی کتاب و سنت سے ہٹی ہوئی باتوں سے وحشت ہوتی تھی۔ میں ان چیزوں کو خود تصوّف کی خرابی پر محمول کرتا تھا۔ لیکن پروفیسر صاحب کے اس مقالہ سے مجھ پر پہلی مرتبہ یہ بات بدلائل واضح ہوئی کہ ہمارے تصوّف میں بھی انہی چور دروازوں سے بہت سے فتنے داخل ہوئے ہیں۔ جن سے تاریخ، حدیث، فقہ، تفسیر

ادب اور فلسفہ میں داخل ہوئے ہیں۔ اس حقیقت کے واضح ہونے سے نفس تصوف سے میری بیزاری کم ہوئی ہے۔ اب میں زیادہ قصور ان لوگوں کا سمجھتا ہوں جو اپنی سادگی اور عامیانہ تقلید کے سبب سے روافض اور سبائیوں کی دسیسہ کاریوں سے آگاہ نہ ہو سکے اور تصوف کے چشمۂ صافی کو انہوں نے ایک جوہڑ بنا کے رکھ دیا۔

مجھے اس احساس سے دلی مسرت ہوتی ہے کہ اس دور میں جس طرح عالمانہ تنقید کا نہایت اعلیٰ کام بعض اہل قلم سے تاریخ پر ہو رہا ہے اسی طرح کے تنقیدی کام کی بنیاد تصوف سے متعلق ہمارے محترم پروفیسر صاحب نے اپنے اس بیش قیمت مقالے سے رکھ دی ہے۔ ساری مشکل بس پہلا چراغ جلانے میں ہوتی ہے۔ ایک چراغ جل گیا تو اسی ایک سے بہت سے چراغ جلائے جا سکیں گے۔ ہمیں توقع ہے کہ یہ مقالہ بہتوں کے لئے رہنما ثابت ہوگا۔ اور کیا عجب کہ اس سے دوسرے اصحاب علم کو بھی اس موضوع پر کام کرنے کا حوصلہ ہو اور وہ نہ صرف سارے صوفیانہ لٹریچر بلکہ خود تصوف کے اصول و مبادی کو بھی کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھ کے اس کے کھرے اور کھوٹے میں ایسا امتیاز قائم کر دیں کہ ایک عام آدمی بھی دھوکے سے محفوظ ہو جائے۔ میں علیٰ وجہ البصیرت یہ رائے رکھتا ہوں کہ معاملہ صرف تصوف کی کتابوں میں الحاق ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ خود ہمارے صوفیا نے بھی بہت سے ایسے اصول باطنی فلسفیوں کے ہاتھوں اپنا لئے ہیں جو اب تصوف کے مسلمات میں سے سمجھے جانے لگے ہیں حالانکہ ان کو کتاب و سنت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ میں نے اس طرح کی بعض چیزوں کا اپنی کتاب "تزکیۂ نفس" میں حوالہ دیا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس نقطۂ نظر سے ان بزرگوں کی کتابوں کا خاص طور پر جائزہ لیا جائے جن کی ہر چیز ہمارے ہاں ماخذ و مرجع سمجھی جاتی ہے اور ان پر کسی تنقید کی جرأت لوگ آسانی سے نہیں کرتے۔

تنقید کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ علم و تحقیق کے ساتھ جو تنقید ہوتی ہے وہ علوم کے لئے آب حیات ہے۔ اسی سے علم کو سیرابی، تازگی، شادابی اور زندگی حاصل ہوتی ہے اور یہ زندگی ملت میں حرکت و عمل کی لہر پیدا کرتی ہے۔ اگر یہ چیز ناپید

ہو جائے تو فکر و نظر کی قوتیں جامد اور حرکت و عمل کی صلاحیتیں مفلوج ہو کر رہ جاتی ہیں اور اس صورت حال سے وہ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو دین و ایمان کے دشمن ہوتے ہیں۔ وہ یا تو الحاقی چیزوں کو بنیاد قرار دے کر ان پر گمراہی کا ایک پورا فلسفہ تیار کر دیتے ہیں یا ان کی آڑ لے کر دین کی بنیادی باتوں پر بھی حملہ کر دیتے ہیں۔ اس وقت بد قسمتی سے ہم اسی صورت حال سے دوچار ہیں۔ ایک طرف جمود اور عامیانہ تقلید کی بے حسی ہے، دوسری طرف خود سرانہ اور جاہلانہ تنقید کی بے راہ روی۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان خفتہ پاسبانوں اور ان بے باک لیڈروں کے ہاتھوں تمام متاعِ ملت تاراج ہو رہی ہے۔ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو متاعِ ملت کی حفاظت کے لئے اپنے اندر غیرت و حمیت بھی رکھتے ہوں اور ساتھ ہی اللہ نے ان کو وہ بصیرت بھی عطا فرمائی ہو جس سے وہ کھرے اور کھوٹے میں امتیاز اور اصلی و الحاقی میں فرق کر سکیں، باطل کو مٹائیں اور جو حق ہے اس کو دلائل کی تازہ دم کمک کے ساتھ میدان میں لائیں۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کا یہ مقالہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بصیرت سے نوازا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی صحت، عمر اور اوقات میں برکت دے کہ وہ اس قسم کی بہت سی مفید چیزیں لکھ سکیں۔

میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سلمہ کو بھی مبارکباد دیتا ہوں کہ وہ اس قیمتی مقالہ کو پروفیسر صاحب کے خزانہ مسودات سے برآمد کرنے میں کامیاب ہوئے اور اس کو اس کے قدر دانوں تک پہنچانے کا اہتمام کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کار خیر کے لئے ان کو جزائے خیر دے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

یہ کتابچہ میری زیر تالیف کتاب "تاریخ تصوف" کا ایک باب ہے جس میں ان عناصر اور عوامل کی نشاندہی ہے جن کی وجہ سے اسلامی تصوف میں، جو در اصل دینِ اسلام کی روح ہے اور ان کی جان ہے، غیر اسلامی عقائد کی آمیزش ہو گئی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک طرف جدید تعلیم یافتہ طبقہ نفس تصوف ہی سے بدظن ہو گیا۔ دوسری طرف خود یہ غیر اسلامی تصوف اپنی ساری افادیت کھو بیٹھا بلکہ جہلا کے حق میں تو افیون بن گیا۔ اور اہل خانقاہ کے حق میں بے عملی کا بہانہ بن گیا۔

اقبال نے اپنے اردو، فارسی کلام میں جگہ جگہ اسی غیر اسلامی تصوف کی مذمت کی ہے اور بلاشبہ یہ ہے بھی مذمت کے لائق یہ اسی غیر اسلامی تصوف کا نتیجہ ہے کہ وہ خانقاہیں جہاں مسلمانوں کو انیدہ پرستی کا درس دیا جاتا تھا آج شخصیت پرستی بلکہ قبر پرستی کا مرکز بنی ہوئی ہیں اور جہاں ہر طرف اتباع رسولؐ کے جلوے نظر آتے تھے، آج وہ خانقاہیں قوالی کی محفلوں میں تبدیل ہو گئی ہیں بلکہ شرک و بدعت کا مرجع بن گئی ہیں:۔

یہ معاملے ہیں نازک جو تری رضا ہو تو کر
کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریق خانقاہی (اقبالؔ)

میں محترمی و مکرمی مولانا امین احسن اصلاحی کا بہت ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کتابچے کیلئے پیش لفظ لکھ کر میری حوصلہ افزائی کی اور برادرم اسرار احمد سلمہ کے حق میں دعائے خیر کرتا ہوں کہ انہوں نے اس کی طباعت کا انتظام کیا۔ اور قارئین سے التماس ہے کہ وہ دعا کریں کہ اللہ مجھے اس ضخیم کتاب کے مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وابستۂ دامنِ حضرت مدنیؒ
فقیر یوسف سلیم چشتیؔ

مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف کی اشاعت کے اسباب

اس سے پہلے ہم یہ ثابت کر چکے ہیں[1] کہ اسلامی تصوف، قرآن و حدیث (سُنّتِ نبویؐ) سے ماخوذ ہے اور اس کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں (۱) توحید خالص (۲) تبلیغِ دین (۳) اتباعِ شریعت (۴) خدمت خلق (۵) جہاد

لیکن اس میں شک نہیں کہ چوتھی صدی ہجری کے بعد مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف بھی راہ پا گیا اور یہ تصوّف چونکہ عجمی یا غیر اسلامی تھا اس لیئے اس کے اجزائے ترکیبی اسلامی تصوّف کی ضد تھے یعنی (۱) شرک (حلول و اتحاد و انسان پرستی و تجسّم و تناسخ ارواح) (۲) رہبانیت (۳) تخریب دین (۴) اباحت مطلقہ (۵) نفاق و مداہنت[2]

یہی وجہ ہے کہ امام ابن تیمیہؒ اور امام ابن القیمؒ سے لے کر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ صاحب تک، ملت اسلامیہ کے تمام مجددین اور اولیائے امّت نے اپنی پوری قوت کے ساتھ اس غیر اسلامی تصوّف کے خلاف علم جہاد بلند کیا، اور مسلمانوں کو اس کے مفاسد سے آگاہ کر کے بلا خوفِ لومتہ لائم اپنا فرضِ منصبی انجام دیا

بہرکیف جس طرح بعض مسلمانوں کی گمراہی سے اسلام پر کوئی حرف نہیں آسکتا اسی طرح بعض صوفیوں کی گمراہی سے اسلامی تصوّف مورد طعن نہیں بن سکتا۔ آئندہ سطور

---

[1] دیکھیئے میثاق اگست ۱۹۶۰ء

[2] ترجمان حقیقت اکبر الٰہ آبادی مرحوم نے اس شعر میں انہی مفاسد کی طرف اشارہ کیا ہے۔

بہت ہی کم پائے اپنے عارف کلام باری نے ہم میں اکبر
سرے سے بگڑا ہے سچ جو پوچھو عرب کا مذہب عجم میں آکر

میں ہم یہ دکھادیں گے کہ مسلمانوں میں غیر اسلامی یا عجمی تصوّف کی اشاعت کے اسباب کیا تھے. واضح ہو کہ یہ بحث بہت تفصیل طلب ہے مگر اس کتاب میں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے اس لئے ہم اجمال پر اکتفا کریں گے۔

پہلی بحث واضح ہو کہ ابتدائے اسلام سے حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت کے وسط تک مسلمانوں میں کوئی فرقہ نہ تھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں مسلمانوں کو حزب اللہ قرار دیا گیا ہے۔

" أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ٥ " (۵۸/۲۲)

"یہ لوگ (جن کی صفات اوپر بیان ہو چکی ہیں) اللہ کی پارٹی یا جماعت یا فوج ہیں اور آگاہ ہو جاؤ کہ یقیناً اللہ ہی کی جماعت فلاح پائے گی۔"

ظاہر ہے کہ اگر کسی فوج یا جماعت میں تفرقہ پیدا ہو جاتے تو اس کا خاتمہ یا مغلوب ہو کر غلام ہو جانا اور اپنی ہستی سے محروم ہو جانا یقینی ہے. اس لئے از روئے عقل و نقل، مسلمانوں میں کوئی فرقہ پیدا ہو ہی نہیں سکتا تھا اور اسی لئے اللہ نے قرآن حکیم میں بار بار مسلمانوں کو متنبہ فرمایا ہے کہ دیکھو! اپنے اندر فرقہ بندی، گروہ بندی، تشتّت، افتراق یا پارٹی بازی کو راہ نہ دینا، ورنہ تباہ ہو جاؤ گے. بخوف طوالت صرف چند آیتوں پر اکتفا کرتا ہوں:-

(ا) " وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ص " (۳-۱۰۳)

"اے مسلمانو! تم سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن) کو مضبوطی سے تھام لو اور مختلف فرقوں میں منقسم مت ہو۔" (۳-۱۰۳)

ب) وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ (۳-۱۰۵)

اور اے مسلمانو! ان لوگوں (یہود و نصاریٰ) کی طرح مت ہو جانا جو مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور جنہوں نے اللہ کی طرف سے واضح دلیلیں آجانے کے بعد بھی آپس میں اختلاف کیا (اور اس اختلاف کی وجہ سے ان میں عقائد کی خرابیاں پیدا ہو گئیں)

(ج) إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ (۶/۱۵۹)

"جن لوگوں (مسلمانوں) نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کئی فرقوں میں منقسم ہو گئے تم کو ان سے کوئی علاقہ یا سروکار نہیں ہے۔"

(د) وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ۖ وَاصْبِرُوا ۚ (۸-۴۶)

"اے مسلمانو! آپس میں نزاع (جھگڑا) مت کرو کیونکہ نزاع سے تفرقہ پیدا ہوگا اور فرقہ بندی سے تمہارے اندر بزدلی پیدا ہوگی اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہو۔"

اس آخری آیت سے فرقہ بندی کی مضرت کے علاوہ یہ بھی ثابت ہوا کہ قرآن کا نازل کرنے والا مسلمانوں کو ایک متحد الخیال اور متحد المقصد فوج کے افراد قرار دیتا ہے، جن کے حق میں اختلاف سم قاتل سے بھی زیادہ مہلک ہے۔ اسی لئے انہیں متنبہ کرتا ہے کہ دیکھنا! کہیں آپس میں نزاع کو راہ نہ دینا اور فرقوں میں منقسم نہ ہو جانا، کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری جماعت کے اندر مختلف الخیال گروہ (فرقے) پیدا ہو جائیں گے اور فرقہ بندی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم آپس میں لڑو گے اور آپس کی لڑائی کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب اٹھ جائے گا، بالفاظِ دگر تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور تمہارے اندر بزدلی پیدا ہو جائے گی۔ اس تنبیہ کے بعد آخری نصیحت یہ فرمائی کہ دشمنوں کے مقابلے میں ثابت قدم رہو!

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تجربہ کار سپہ سالار اپنی فوج کے نوجوانوں کو نصیحت کر رہا ہے۔ فی الجملہ اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ قرآن حکیم مسلمانوں کو اللہ کی فوج قرار دیتا ہے اور اس کی مزید تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔

أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ (۵۸/۱۹)

"یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں اور آگاہ ہو جاؤ کہ شیطان کے گروہ کے لوگ گھاٹے میں رہیں گے۔"[1]

---

[1] قرآن کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو صرف دو جماعتوں میں تقسیم کیا ہے (۱) حزب اللہ (اللہ کی جماعت) (۲) حزب الشیطان (شیطان کی جماعت) ان دو کے علاوہ جس قدر

یہ حقیقت کہ قرآن کی رُو سے (اللہ کی نگاہ میں) مسلمان قوم یا ملت اسلامیہ، اللہ کی فوج ہے اس آیت سے بھی ثابت ہوتی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ۝

"بلا شبہ اللہ محبت کرتا ہے ان لوگوں سے جو اس کی راہ میں اس طرح صف باندھ کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں۔ (۶۱-۴)"

چونکہ مسلمان اللہ کی فوج ہیں اسی لئے ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے تیاری سے غافل نہ ہوں۔

وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ الخ (۸-۶۰)

"اے مسلمانو! دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیاری کرو جس قدر تم سے ممکن ہو سکے یعنی مادی قوت فراہم کرو اور گھوڑے باندھو (یعنی پلٹن اور رسالے تیار کرو)"

اس سلسلے میں قول فیصل یہ ہے کہ اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا ہے یعنی جس طرح دنیاوی حکومتوں میں یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک شخص فوج میں بھرتی ہوتا ہے تو اسی وقت سے وہ اپنی زندگی اور اپنی مرضی افسرِ فوج کے حوالے کر دیتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح ایک شخص جب کلمہ پڑھ لیتا ہے تو حزبُ اللہ میں داخل ہو جاتا ہے اور اسے اپنی جان یا اپنے مال پر کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ الخ (۹-۱۱۱)

"اللہ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے (اب ان کا کام صرف یہ ہے کہ) وہ اللہ کی راہ میں لڑیں گے (جس کا نتیجہ لازمی طور سے یہ ہوگا کہ) وہ قتل کریں گے اور قتل ہو جائیں گے۔

قرآن مجید میں اس نوعیت کی آیتیں بہت سی ہیں۔ ایضاح مقصد کے لئے اتنی ہی

آیتیں کافی ہیں۔ قرآن حکیم نے مسلمانوں کی امتیازی صفت یہ بیان کی ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ

رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ الخ (۴۸-۲۹)

(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپؐ کے ساتھ ہیں

(ان کی شناخت یہ ہے کہ) وہ کافروں پر سخت ہیں (مگر) آپس میں رحیم ہیں

اس آیت سے ثابت ہوا کہ فرقہ بندی، اسلام کی ضد ہے کیونکہ فرقہ بندی کا لازمی نتیجہ آپس میں نزاع ہے۔

بلاشبہ قرآن حکیم نے مسلمانوں کو "خدائی فوجدار" قرار دیا ہے یعنی ان کا کام یہ ہے کہ وہ دنیا سے برائی کو مٹائیں اور نیکی کی اشاعت کریں۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ :-

"كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ

تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط (۳-۱۱۰)

"اے مسلمانو! تم دنیا میں بہترین جماعت ہو جو انسانوں کو نیکی کا حکم دوگے اور برائیوں سے منع کروگے۔"

ظاہر ہے کہ اگر مسلمان خود مختلف فرقوں میں منقسم ہوجائیں گے تو نہ ان میں اتحاد باقی رہے گا نہ دوسروں کی اصلاح کا جذبہ باقی رہے گا اور نہ اس کے لئے وقت مل سکے گا جو جماعت آپس میں لڑنے لگتی ہے وہ خود محتاج اصلاح ہو جاتی ہے۔

قصہ کوتاہ قرآن کی ان صریح آیتوں سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ فرقہ بندی اسلام کی ضد ہے اور منشاءِ ایزدی کی عملاً تردید ہے۔

یہ آیتیں صدرِ اوّل کے مسلمانوں کے سامنے تھیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال کی مدت میں ان کے اندر وحدتِ افکار و کردار پیدا کر دی تھی۔ تمام مسلمانوں کے سامنے ایک ہی مقصد تھا اور ایک ہی نصب العین تھا یعنی اِعلاءِ کلمۃ الحق۔ اللہ کے کلمے (قرآن) کو دنیا میں بلند کرنا اُن کا جینا اور مرنا سب اللہ ہی کے لئے تھا۔[1]

---

[1] قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ط (۶-۱۶۳)

(باقی حاشیہ ص۱۴ پر)

اللہ سے بڑھ کر فطرتِ انسانی کا عالم اور کون ہو سکتا ہے؟ انسان کی یہ فطرت ہے کہ اگر وہ کسی شخصیت کو اپنا مقصود بنا لے اور اس کے لئے اپنی زندگی بسر کرنے لگے تو رفتہ رفتہ وہ خدا پرستی سے بیگانہ ہو جاتا ہے کیونکہ جب غیر اللہ مطمحِ نظر اور مقصود حیات بن گیا تو اللہ خود بخود نگاہ اور دل اور دماغ سب سے اوجھل ہو جاتے گا اور شخصیت پرستی چونکہ شرکِ عظیم ہے اس لئے مسلمان، مسلمان نہیں رہ سکتا، مشرک ہو جائے گا۔ ویسا ہی مشرک جیسا کہ عیسٰی یا کرشن یا لات و ہبل کا پرستار۔

اس لئے قرآن نے شخصیت پرستی کا خاتمہ کر دیا اور تاریخ مذاہب کا تقابلی مطالعہ کرنے سے یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ قرآن سے بڑھ کر کسی الہامی یا آسمانی کتاب نے شخصیت پرستی کی تردید نہیں کی۔ کسی انسان کی پرستش کی بنیاد یہ عقیدہ ہے کہ اس انسان میں الوہیت کا رنگ پایا جاتا ہے۔ اسی عقیدے نے رفتہ رفتہ تجسیم یا حلول یا اوتار کے عقیدے کی شکل اختیار کر لی۔ دنیا میں جن جن انسانوں کی پرستش کی گئی ہے۔ پہلے ان میں الوہیت تسلیم کی گئی پھر ان کی پرستش شروع ہوئی اسی لئے قرآن نے شخصیت پرستی کا جس خوبی سے سدِّباب کیا ہے وہ مذاہبِ عالم کی تاریخ میں بے نظیر ہے۔

(ا) مسلمانوں کو حکم دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے پہلے آپ کی بشریت اور عبدیت کا اقرار کریں۔

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

اس کلمۂ شہادت میں عبدہٗ پہلے ہے رسول بعد میں ہے۔

(ب) قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (۱۸-۱۱۰)

"اے رسول آپ اعلان کر دیجئے کہ میں تمہاری ہی طرح ایک بشر ہوں۔"

(ج) وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِئْنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ (۳-۱۴۴)

بقیہ حاشیہ صد ۱۳ سے آگے: "آپ کہہ دیجئے کہ بلاشبہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ کے لئے ہے جو ساری کائنات کا رب ہے۔"

اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں ہیں مگر رسول ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر وہ وفات پاجائیں یا قتل ہوجائیں تو (اے مسلمانو) کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے یعنی اسلام چھوڑ دو گے؟

اس نص صریح سے ثابت ہوا کہ اسلام کی روح خدا پرستی ہے، شخصیت پرستی نہیں ہے خواہ وہ شخصیت رسول ہی کی کیوں نہ ہو۔ اب یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ اسلام میں کوئی شخصیت رسول اللہ صلعم سے ارفع نہیں ہے لیکن اللہ نے اپنے دینِ اسلام کو رسول صلعم کی شخصیت سے بھی وابستہ نہیں کیا — تا بدیگراں چہ رسد؟

اسلام کی تاریخ میں حضرت صدیق اکبرؓ کو یہ فخر حاصل ہے کہ سب سے پہلے انہوں نے مسلمانوں کو اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ اسلام شخصیت پرستی کا نام نہیں ہے بلکہ خدا پرستی کا نام ہے یعنی مسلمان کا مقصود و مطلوب صرف اللہ ہے جو "حیٌّ لَّا یَمُوْتُ" ہے۔

جب سالم بن عبید کے ذریعہ حضرت ابوبکرؓ کو حادثۂ رحلتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پہنچی تو آں جنابؓ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر کاشانۂ نبوت میں تشریف لائے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کے قریب کھڑے ہو کر رُخِ روشن سے چادر اٹھائی، پیشانی مبارک پر بوسہ دیا۔ گریہ کناں آپؐ کو مخاطب کر کے یوں گویا ہوئے۔

"میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں، آپؐ زندگی میں بھی پاک اور صاف رہے اور اب موت کے بعد بھی پاک اور صاف ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اللہ آپ کو ہرگز دو موتیں نہیں دے گا۔ وہ موت جو اللہ نے آپ کے لئے مقدر کر دی تھی، وہ تو آپ کو آ ہی گئی۔"

یہ کہہ کر مسجدِ نبوی میں تشریف لائے۔ یہاں عجیب کہرام مچا ہوا تھا فاروقِ اعظمؓ کہہ رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی ہے صدیق اکبرؓ

نے انہیں سمجھایا اور کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گئے تو آں جناب ؓ نے تقریر شروع کی۔ حمد وثنا کے بعد فرمایا۔

الا من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات (صلی اللہ علیہ وسلم) ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حیّ لا یموت۔ قال اللہ تعالیٰ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ○ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِئْنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ الخ

"جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا وہ سُن لے کہ بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے لیکن جو شخص اللہ کی عبادت کرتا ہے اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ بے شک زندہ ہے جسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں ہیں مگر اللہ کے ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں پس اگر ان کو موت آجائے یا وہ قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل، پیچھے کو لوٹ جاؤ گے ؟ (اسلام ترک کر دو گے ؟) اور جو شخص ایسا کرے گا تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اللہ شکر کرنے والوں کو عنقریب جزا دے گا"

یہ تقریر سُن کر حاضرین پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ لیکن ساتھ ہی انہیں ایسا معلوم ہوا کہ یہ آخری آیت گویا انہیں معلوم ہی نہ تھی۔ اب حضرت صدیق اکبرؓ نے اس کی تلاوت کی تو ان کی آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا، اور یہ آیت اس قدر مؤثر ثابت ہوئی کہ ہر شخص اس کی تلاوت کر رہا تھا۔

خلاصۂ کلام این کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضؓ نے زبانی تعلیم اور اپنے طرز عمل سے یہ بنیادی حقیقت مسلمانوں کے دلوں میں جاگزیں کر دی تھی کہ فرقہ بندی اسلام کی ضد ہے اور مسلمانوں کی حیات اجتماعی کے حق میں سمِ قاتل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد نبویؐ اور عہد خلافت شیخین رضؓ میں کوئی فرقہ موجود نہ تھا

اور اس وحدتِ فکر و عمل ہی کا یہ ثمرہ تھا کہ مسلمانوں نے خلافتِ شیخین رض اور حضرت عثمان رض کی خلافت کے ابتدائی دور میں عدیم المثال کامیابی حاصل کی جس کی تفصیل تاریخ اسلام کے صفحات سے واضح ہو سکتی ہے۔ یہ کامیابی اس قدر حیرت انگیز ہے کہ آج تک بہت سے غیر مسلم مؤرخین کے لیے ایک عقدۂ لاینحل بنی ہوئی ہے۔ اقبال نے اسی عقدے کو اس شعر میں حل کیا ہے ؎

وحدتِ افکار و کردار آفریں   تا شوی اندر جہاں صاحب نگیں

دوسری بحث مسلمانوں کے ہاتھوں یہود کو جو ذلت نصیب ہوئی، اس کی خلش ان کے دل سے کبھی محو نہ ہو سکی چنانچہ مسلمانوں کی طاقت کو ضعف پہنچانے اور اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے کے لیے حضرت عثمان رض کی خلافت کے آخری دور میں یمن کے ایک یہودی عبداللہ ابن سبا نے مدینے میں آکر منافقانہ طور پر اسلام قبول کیا۔

کسی یہودی کے لیے مسلک نفاق اختیار کرنا کوئی نئی یا دشوار بات نہیں تھی خود حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عبداللہ ابن ابی نے منافقانہ طور پر اسلام قبول کر لیا تھا وہ جب تک زندہ رہا فتنہ پردازی میں مشغول رہا لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں، دینِ حق میں کسی قسم کے باطل کی آمیزش نہ کر سکا۔

چونکہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن سبا کوئی تاریخی شخصیت نہیں ہے اس لیے اس کی فتنہ پردازی کی داستان قلمبند کرنے سے پہلے چند تاریخی شواہد پیش کرنا ضروری ہیں تاکہ اس کی شخصیت متحقق ہو جائے۔

۱۔ مہدی توحیدی پور (پیرو مذہب شیعہ) نفحات الانس (جامی) کے مقدمے میں ص۹ پر لکھتا ہے،

"اولیں کسیکہ نسبتِ الوہیت بحضرت امیر داد، عبداللہ ابن سبا بود کہ در زمان آنحضرت زندگی میکرد"

ترجمہ:۔ "پہلا شخص جس نے حضرتِ امیر کو الوہیت سے نسبت دی عبداللہ

ابن سبا تھا جس نے آنحضرتؐ کے زمانے میں زندگی بسر کی۔"

۲۔ ڈاکٹر کلین (KLEIN) الابانہ عن اصول الدیانہ کے انگریزی ترجمے کے مقدمے میں صٹ' پر لکھتا ہے۔

"عبداللہ ابن سبا یہودی نو مسلم نے جب حضرت علیؓ سے ملاقات کی تو ان سے یہ کہہ کر مخاطب ہوا "اَنْتَ اَنْتَ" اس جملے سے اس کا مطلب یہ تھا کہ تو خدا ہے۔ یہ سن کر حضرت علیؓ نے اسے جلاوطن کر دیا کیونکہ ان کی رائے میں یہ جملہ کفر صریح تھا۔ لیکن عبداللہ ابن سبا کے پیروؤں کے دلوں میں یہ عقیدہ جاگزیں ہو چکا تھا کہ حضرت علیؓ اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے۔ نیز یہ کہ ان کے اندر الوہیت کا ایک جزو حلول کر گیا تھا اور یہ جزو الوہیت بصورتِ تناسخ ارواح، ان کے جانشینوں میں درجہ بدرجہ منتقل ہوتا رہا۔"

۳۔ سر ولیم میور (MUIR) اپنی تصنیف "الخلافت۔ اس کا عروج، انحطاط اور زوال" میں ص۲۱۶ پر لکھتا ہے۔

"۳۲ھ میں جبکہ ابن عامر، بصرے کا گورنر تھا، عبداللہ ابن سبا نے جسے عام طور سے ابن سوداء کہتے تھے، بصرے میں آکر اسلام قبول کیا۔ لیکن بہت جلد یہ حقیقت آشکار ہو گئی کہ وہ دراصل حکومت وقت کے خلاف شدید باغیانہ خیالات رکھتا تھا۔ بلکہ اس کی ذات مجسم بغاوت تھی۔ چنانچہ انہی باغیانہ خیالات کی وجہ سے اسے بصرہ، کوفہ اور دمشق سے پے در پے جلاوطن کیا گیا۔ انجام کار مصر میں اسے گوشۂ عافیت میسر آگیا اور یہاں بیٹھ کر اس نے عجیب و غریب بلکہ ہوشربا اور سراسر اسلام کے خلاف عقائد کی اشاعت شروع کی۔ مثلاً"

(ا) حضرت عیسیٰؑ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔

(ب) فی الحال حضرت علیؓ آنحضرتؐ کے وصی، وارث یا جانشین ہیں

(ج) حضرت عثمانؓ (نعوذ باللہ منہ) غاصب ہیں۔

اس لئے جب تک ان کی حکومت کا قلع قمع نہیں کیا جائے گا اس وقت تک صداقت اور عدالت کا قیام ناممکن ہے۔ مصر میں ان عقائد کو بہت جلد قبولیت حاصل ہو گئی۔

۴۔ پروفیسر نکلسن اپنی تصنیف "عربوں کی ادبی تاریخ" میں صفحہ ۲۱۵ پر لکھتا ہے۔

"عبداللہ ابن سبا جس کا صحیح تلفظ سباع ہے، یمن کے شہر صنعا کا باشندہ تھا اور دراصل یہودی تھا حضرت عثمان کے عہد خلافت میں اسلام لایا اور بظاہر ایک گشتی مبلغ بن گیا۔ طبری کہتا ہے کہ اس نے مختلف شہروں کا سفر کیا اور اس کا مقصد مسلمانوں کو گمراہ کرنا تھا۔ انجام کار اس نے مصر میں سکونت اختیار کر لی۔ یہاں اس نے مسلمانوں کو "رجعت" کی تعلیم دینا شروع کی یعنی اس نے مسلمانوں سے کہا کہ یہ بات صداقت سے کس قدر بعید ہے کہ ایک مسلمان اس بات پر تو ایمان رکھتا ہے کہ مسیح دوبارہ دنیا میں آئیں گے لیکن آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رجعت کا انکار کرتا ہے۔ حالانکہ خدا نے قرآن مجید (۲۸-۸۵) میں اعلان فرمایا ہے کہ وہ دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ علاوہ ازیں ایک ہزار انبیاء ایسے گذرے ہیں جن میں ہر نبی کا ایک وصی تھا۔ لہذا حضرت علیؓ آنحضرت کے وصی ہیں جس طرح آنحضرت صلعم خاتم الانبیاء ہیں حضرت علیؓ خاتم الاوصیاء ہیں۔ ابن سباع (نقل کفر کفر نباشد) خلفائے ثلاثہؓ کو (نعوذ باللہ) غاصب قرار دیتا تھا اس نے حضرت علیؓ کی حمایت میں سازشوں کا جال بچھا دیا اور اسلامی سلطنت کے مختلف صوبوں میں جو لوگ حضرت عثمانؓ کے خلاف تھے ان سے خفیہ مراسلت کا سلسلہ شروع کر دیا۔" دیکھو طبری ۱/۲۹۴۲

۵۔ ڈاکٹر جے این ہالسٹر اپنی تصنیف "شیعان ہند" میں صفحہ ۱۵ پر لکھتا ہے۔

"حضرت علیؓ کے حق میں عبداللہ ابن سباع نے سب سے پہلے پروپیگنڈہ شروع کیا۔ وہ صنعاء کا یہودی تھا حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں اسلام لایا اور مختلف شہروں میں جا کر ان عقائد کی تبلیغ کی کہ آنحضرت (صلعم) دوبارہ اس دنیا

میں تشریف لائیں گے اور حضرت علیؓ آنحضرت صلعم کے وصی ہیں۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ خلفائے ثلاثہؓ (نعوذ باللہ) غاصب ہیں، کیونکہ آنحضرت صلعم کے اندر جو الوہیت تھی وہ ان کی وفات کے بعد حضرت علیؓ کی ذات میں منتقل ہو گئی جو لوگ حضرت عثمانؓ سے ناخوش تھے۔ انہوں نے اس کی دعوت پر لبیک کہا۔"

۶۔ پروفیسر پی کے ہٹی اپنی تصنیف "عربوں کی تاریخ" مطبوعہ لندن طبع چہارم ۱۹۴۹ء میں صفحہ ۲۴۸ پر لکھتا ہے۔

"عبداللہ ابن سبا، جس کی شخصیت ایک معما ہے، حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں مسلمان ہوا۔ اُس نے حضرت علیؓ کی تعظیم میں اس درجہ مبالغہ کیا کہ وہ پریشان ہو گئے۔ یہ شخص غالی شیعہ فرقے (غُلاۃ) کا بانی تھا۔"

۷۔ پروفیسر عباس اقبال، معلم دار المعلمین عالی، طہران، اپنی تالیف "خاندانِ نوبختی" کے صفحہ ۲۵۷ پر لکھتا ہے۔

"سبائیہ، اولین فرقہ غلاۃ، طرفداران عبداللہ بن سباء کہ پیش از ہر کس باظہار طعنِ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ پرداختہ و معتقد بحیاتِ جاوید و رجعت حضرت علیؓ و الوہیت او بودہ اند۔ امیر المومنین علی، عبداللہ بن سباء را بقتل رساند۔ فرقہ نصیریہ از بازماندگانِ سبائیہ بودہ اند۔" لفظی ترجمہ یہ ہے:۔

سبائیہ غالی فرقوں میں سے سب سے پہلا فرقہ ہے۔ یہ لوگ عبداللہ ابن سباء کے طرفدار تھے جنہوں نے سب سے پہلے (حضرات) ابوبکر و عمر و عثمان (رضہ) پر طعن کا اظہار کیا، اور یہ لوگ حضرت علی کی حیاتِ جاوید اور رجعت (دوبارہ دنیا میں واپسی) اور الوہیت کے معتقد تھے۔ امیر المومنین علی نے عبداللہ ابن سبا کو قتل کر دیا۔ فرقہ نصیریہ کے افراد، اسی فرقہ سبائیہ کے باقی ماندہ افراد میں سے تھے۔

۸۔ امام محمد بن عبدالکریم شہرستانی اپنی مشہور تالیف "الملل والنحل" میں کہتے ہیں۔

"ومن ذلک سبائیہ۔ اصحاب عبداللہ بن سباء کہ با امام المتقین حیدر گفت تو ئی

کہ تو ئی بکنایتہ آں شقاوت پیشہ می گفت کہ تو خدائی اول کسے بود کہ بفرضیت امامت علی رضی اللہ عنہ قایل شد و اصنافِ غلاۃ ازیں مخذول منشعب گشتند۔ ورائے خاید بداں ذاہب شد کہ امام المتقین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقتول نگشتہ و دراں حضرت جزوے از اجزائے الٰہی موجود است تعالیٰ اللہ عمّا یقولون رعد صوتِ اوست و برق تازیانہ اوست۔"

(ترجمہ از افضل الدین صدر ترکہ اصفہانی بخش اول ص۱۸۱)

لفظی ترجمہ یہ ہے:۔ اور ان فرقوں میں سے ایک فرقہ سبائیہ ہے۔ یہ عبداللہ بن سباء کے اصحاب ہیں جس نے حضرت علی سے کہا کہ تو، تو ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تو خدا ہے۔ عبداللہ ابن سباء پہلا شخص ہے جو امامت علیؓ کی فرضیت کا قائل ہوا اور غلاۃ کے مختلف فرقے اسی مخذول شخص کی تعلیمات سے پیدا ہوئے۔ اس کی رائے ہیں:۔

(۱) حضرت علیؓ مقتول نہیں ہوئے۔

(۲) اور ان میں الوہیت کے اجزاء میں سے ایک جز موجود تھا (اللہ کی شان ان باتوں سے جو یہ لوگ کہتے ہیں بہت بلند ہے) رعد ان کی آواز ہے اور برق ان کا تازیانہ ہے۔"

مجھے یقین ہے کہ ان شواہد کا مطالعہ کرنے کے بعد کسی شخص کو اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔ کہ عبداللہ ابن سبا، تاریخ اسلام میں پہلا شخص ہے جس نے مسلمانوں میں فتنہ و فساد کا بیج بویا۔

بازآمدم برسرِ مطلب۔

عبداللہ ابن سباء نے جن عقائد کی تلقین کی ان کا اجمالی تذکرہ سطور بالا میں بیان کیا جا چکا ہے ان کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو سکتی ہے کہ اس نے ایک تیر سے دو شکار کئے۔

(۱) اسلام کے بنیادی عقائد میں غیر اسلامی اور مشرکانہ عقائد داخل کر دیئے۔

(۲) مسلمانوں کی وحدت ملی اور یک جہتی یکرنگی اور یک رنگا ہی کو پارہ پارہ کر دیا۔ بالفاظ دیگر وہ اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہوگیا۔ یعنی اس نے حضرت علیؓ کو خدا بنا کر مسلمانوں میں انسان پرستی کا عقیدہ راسخ کر دیا اور تفرقہ پیدا کر کے مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف صف آرا کر دیا۔

اس شخص کی منافقانہ روش اور فتنہ انگیزی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے اس کو قتل کرایا لیکن جو خفیہ جماعت اس نے پیدا کر دی تھی اور جس قسم کے غیر اسلامی عقائد اُس جماعت میں راسخ کر دیئے تھے۔ ان دونوں باتوں کا خاتمہ نہ ہو سکا۔ بلکہ اس کی وفات کے بعد اس کی جماعت کو ایران میں قبول عام کی سند حاصل ہوگئی۔ کیونکہ یہودیوں کی طرح ایرانی بھی عرب مسلمانوں سے شدید نفرت کا جذبہ دل میں پوشیدہ رکھتے تھے اور جن عقائد کی ابن سبا نے تبلیغ کی تھی۔ وہ اُن کے لئے قابل قبول تھے خصوصاً حلول کا عقیدہ جو ان میں پہلے ہی سے موجود تھا۔

تیسری بحث

حضرت جعفر (شیعوں کے چھٹے امام) نے ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔ اُن کی وفات کے بعد ان کے متبعین میں دو گروہ پیدا ہو گئے۔

۱۔ جس نے ان کے چھوٹے بیٹے حضرت موسیٰ کاظم کو ان کا جانشین تسلیم کیا وہ آگے چل کر امامیہ اثنا عشریہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

۲۔ جنہوں نے ان کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل کو ان کا جانشین تسلیم کیا وہ آگے چل کر اسمٰعیلیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ ہمیں اس وقت اسی دوسرے گروہ کی مختصر داستان لکھنی مقصود ہے۔

یہ فرقہ اگرچہ شیعیت ہی کی ایک شاخ ہے مگر جن لوگوں نے اس فرقے کی رہنمائی کی انہوں نے اسے ایک تخریبی تحریک بنا دیا اور آگے چل کر یہ تحریک اپنے معتقدات اور اعمال کے لحاظ سے شیعیت سے بھی کوسوں دور ہوگئی۔

تاریخ اسلام میں اس تحریک کو ملاحدہ، باطنیہ، تعلیمیہ اور قرامطہ کے رسوائے عالم لقب سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ ہم ذیل میں اس کی مختصر داستان قلمبند کرتے ہیں کیونکہ

یہی فرقہ دنیائے اسلام میں غیر اسلامی تصوف کا بانی ہے۔

واضح ہو کہ اس فرقے نے شروع سے عبداللہ ابن سباء کے غالی عقائد (عقیدہ الوہیت علی و رجعت و تناسخ ارواح و حلول) ہی اختیار کر لئے تھے۔ پروفیسر براؤن "ایران کی ادبی تاریخ جلد اول صفحہ ۳۱۱ پر لکھتا ہے۔" جو عقائد غلاۃ شیعہ میں مشترک ہیں وہ حسب ذیل چار عقائد ہیں۔

۱۔ تشبیہہ (خدا کا انسانی شکل میں ظہور)

۲۔ مشیت ایزدی میں تبدیلی (بدا)

۳۔ امام کی واپسی (رجعت)

۴۔ تناسخ (ایک امام کی روح کا دوسرے یعنی جانشین کی شخصیت میں حلول کرنا)

ظاہر ہے کہ یہ سب عقائد، قرآن کے سراسر خلاف ہیں۔ اسی لئے مسٹر اسٹینلی لین پول اپنی تصنیف داستانِ قاہرہ مطبوعہ لندن سنہ ۱۹۰۶ء میں صفحہ ۱۱۳ پر لکھتا ہے "اپنی باطنی روح کے اعتبار سے فاطمیین مصر کا مذہب محمڈنزم نہیں ہے۔"

ڈاکٹر اولیری نے بھی اپنی تصنیف "تاریخ خلفائے بنی فاطمہ مصر" میں صفحہ ۱۲ پر لکھا ہے۔ "اسمٰعیلیہ فرقے میں شروع ہی سے غلاۃ شیعہ کی خصوصیات پیدا ہو گئی تھیں یعنی (۱) تاویل (۲) تجسیم (۳) حلول (۴) تناسخ روحِ امام بقالب دیگر۔"

اب ہم براؤن کی تاریخ جلد اول سے اس تحریک کی داستان قلمبند کرتے ہیں۔

مہدی کے عہد حکومت میں المقنع نے خروج کیا۔ ابن خلکان نے اپنی مشہور تالیف وفیات الاعیان میں لکھا ہے کہ المقنع کا اصلی نام عطا تھا اس نے جادو اور طلسمات میں مہارت حاصل کی اور خدائی کا دعویٰ کر دیا۔ اس نے اپنے پیروؤں سے کہا کہ سب سے پہلے خدا نے آدم میں حلول کیا (یہی وجہ ہے کہ فرشتوں نے اسے سجدہ کیا)۔ الغرض خدا اسی طرح تمام انبیاء میں حلول کرتا کرتا ابو مسلم خراسانی کے جسم میں داخل ہوا اور اس کی وفات کے بعد اب خدا نے میرے اندر حلول کیا ہے[1]۔

---

[1] اس کے دعوے سے ایرانی ذہنیت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

چونکہ یہ شخص نہایت کریہہ المنظر اور کانا تھا۔ قصیر القامت اور ہکلا تھا اور اپنے بدنما چہرے پر سنہرا نقاب ڈالے رہتا تھا۔ اسی لئے اسے المقنع کہتے ہیں، یہ شخص ۱۶۹ھ میں قتل کیا گیا۔

۲۔ مامون کے عہد میں بابک خرمی نے خروج کیا، یہ شخص بھی الوہیت کا مدعی تھا۔ بقول طبری اس شخص نے بیس سال تک ایران میں شدید ہنگامہ برپا رکھا۔ انجام کار افشین نے ۲۲۳ھ میں اسے قتل کیا۔ المقنع اور بابک نے خدائی کا دعویٰ کر کے ہزاروں نہیں لاکھوں مسلمانوں کو گمراہ کیا اور بقول مسعودی (کتاب التنبیہ) بابک نے پانچ لاکھ کے قریب مسلمانوں کو قتل کیا۔ ان دونوں کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے عبداللہ ابن میمون القداح کی تخریبی سرگرمیوں کے لئے زمین ہموار کی۔

۳۔ ہٹی اور براؤن دونوں نے لکھا ہے کہ فرقہ اسمٰعیلیہ کی سیاسی تنظیم اور مذہبی عقائد کی تدوین کا سہرا عبداللہ ابن میمون القداح کے سر ہے۔ الفہرست میں مرقوم ہے[1] کہ یہ شخص اہواز کا باشندہ تھا۔ اس نے پہلے بصرے میں قیام کیا۔ پھر سلامیہ (شام) کو اپنا مرکز بنایا اور یہاں سے تمام دنیائے اسلام میں اپنے دعاۃ کو اسمٰعیلی مذہب کی تبلیغ کے لئے روانہ کیا۔ اس نے ۲۶۱ھ میں وفات پائی۔

۴۔ حمدان قرمط: یہ شخص القداح کا سب سے بڑا داعی تھا۔ اس کا نام حمدان بن اشعث تھا۔ یہ دراصل ایک عراقی کاشتکار تھا۔ چونکہ اس کی ٹانگیں بہت چھوٹی تھیں اس لئے اسے قرمط کہتے تھے۔ اس نے اسمٰعیلی مذہب کو باطنی تحریک میں تبدیل کر دیا۔ اور اسی لئے اسمٰعیلی باطنی فرقہ اس کے نام سے موسوم ہو گیا یعنی قرامطہ۔ قرامطہ نے الجنابی کی سربراہی میں ایک آزاد ریاست قائم کر لی اور اس کے بیٹے ابوطاہر نے ۹۳۰ء میں مکے پر حملہ کر کے حجر اسود اکھیڑ لیا اور اپنے ساتھ لے گئے[2]۔ بقول براؤن انہوں نے

---

[1] براؤن جلد اول صفحہ ۳۹۶ و ہٹی صفحہ ۴۴۳ [2] یہاں قرامطہ کے مظالم کی داستان بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ بطور نمونہ صرف ایک کارنامہ درج کر دیا ہے۔ ۱۲

سو سال تک سلطنت عباسیہ کے باشندوں کو خوفزدہ رکھا۔[1]

القداح کے عقائد:۔ اس نے اپنی تحریک کو اسمٰعیلی فرقے کے ساتویں امام اسمٰعیل سے منسوب کیا۔ اس لئے اس تحریک کا نام اسمٰعیلی تحریک ہوا۔ مگر اس تحریک کو مختلف زمانوں میں مختلف ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ مثلاً سبعی، باطنی، تعلیمی، فاطمی، قرمطی، اور حشیشی لیکن مورخوں نے اس تحریک کو ملاحدہ کے لقب سے یاد کیا ہے۔

القداح کے عقائد حسب ذیل ہیں۔

(ا) اس مذہب میں سات کا عدد بہت مقدس ہے اس کے بعد ۱۲ بارہ کا عدد مثلاً سبعہ سیارہ اور دوازدہ بروج۔ ہفتے کے سات دن اور سال کے بارہ مہینے۔

(ب) اصول ہفت گانہ:۔ خدا، عقلِ کلی، نفس کلی، انسان، مادہ، زمان، مکان۔

(ج) سات صاحب شریعت نبی یا رسول:۔ آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ، آنحضرت صلعم اور محمد التام (کامل) ابن اسمٰعیل ابن جعفر۔

(د) ہر رسول کے ساتھ جس کا لقب ناطق ہے ایک معاون بھی ہے جس کا لقب صامت ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے۔ آدم کے ساتھ شیث۔ نوح کے ساتھ سام، ابراہیم کے ساتھ اسمٰعیل۔ موسیٰ کے ساتھ ہارون۔ عیسیٰ کے ساتھ پطرس۔ آنحضرتؐ کے ساتھ علیؓ اور محمد بن اسمٰعیل کے ساتھ القداح۔

(ہ) القداح نے اپنے عقائد کی تبلیغ کے لئے مبلغین تیار کئے ان کا لقب داعی تھا۔ دعاۃ کا طریق کار یہ تھا کہ وہ جس شہر میں جاتے وہاں کوئی پیشہ مثلاً تجارت یا طبابت اختیار کر لیتے سب سے پہلے وہ لوگوں کے دلوں میں اپنے متقی، مقدس اور متورع ہونے کا نقش جماتے تھے جب لوگ ان کی بزرگی کے قائل ہو جاتے تھے تو وہ ان کے قلوب میں فلسفیانہ سوالات کے ذریعہ سے شکوک و وساوس اور اضطراب پیدا کرتے تھے۔ مثلاً

۱۔ خدا نے یہ دنیا چھ دن میں کیوں پیدا کی جبکہ وہ ایک ساعت میں پیدا کر سکتا تھا۔

۲۔ صراط مستقیم کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟

۱۔ براؤن جلد اول صفحہ ۴۰۱

۳۔ عذابِ دوزخ کی حقیقت کیا ہے؟ دوزخیوں کی کھال کس طرح بدلی جائے گی؟
۴۔ رمی جمار کی حقیقت کیا ہے؟
۵۔ دوزخ کے دروازے سات کیوں ہیں؟ جنت کے دروازے آٹھ کیوں ہیں؟
۶۔ آسمان سات کیوں ہیں؟ سورۂ فاتحہ کی آیات سات کیوں ہیں؟
۷۔ کراماً کاتبین ہمیں نظر کیوں نہیں آتے؟
۸۔ حاملین عرش آٹھ کیوں ہیں؟ (قرآن ۶۹۔۱۷)
۹۔ ابلیس کی کیا حقیقت ہے؟
۱۰۔ یاجوج و ماجوج اور ہاروت و ماروت سے کیا مراد ہے؟
۱۱۔ تمام حیوانات میں انسان ہی دو ٹانگوں پر کیوں کھڑے ہو کر چلتا ہے؟
۱۲۔ ہاتھوں میں دس انگلیاں کیوں ہیں؟
۱۳۔ چار انگلیوں میں تین تین پورے کیوں ہیں؟ انگوٹھے میں صرف دو کیوں ہیں؟
۱۴۔ صرف چہرے میں سات مخارج کیوں ہیں؟ آٹھ یا نو کیوں نہیں؟ جبکہ بقیہ تمام جسم میں صرف دو ہیں؟

یہ سوالات تبلیغ کی ابتدا میں کئے جاتے تھے جب سننے والا مضطرب ہو جاتا تھا تو اس کے دماغ میں فلسفیانہ قسم کے شکوک و شبہات پیدا کئے جاتے تھے۔
اور جب وہ مبہوت ہو جاتا تھا تو داعی اس سے کہتا تھا کہ تمہارے علماء کے پاس ان سوالات کا کوئی جواب نہیں ہے۔ لیکن اگر تم میرا مذہب اختیار کرو تو میں تمہیں اسلام کی حقیقت سے آگاہ کر دوں گا اس کی شرط یہ ہے کہ تم اپنی دولت یا کمائی میں سے ہماری تحریک کی مالی امداد کے لئے ایک رقم معین کر دو اور وعدہ کرو کہ جو تعلیم ہم تمہیں دینگے تم اُسے مخفی رکھو گے۔

اگر سامع اس شرط پر راضی ہو گیا تو اسے اس خفیہ جماعت کے پہلے درجے میں داخل کر لیا جاتا تھا۔ انقداح نے ۹ درجے مقرر کئے تھے آخری درجے میں پہنچ کر طالبِ حق کو اسلام سے بیگانہ کر دیا جاتا تھا۔

مقریزی اور نویری لکھتے ہیں کہ آخری درجے تک پہنچنے کے بعد طالب کے لئے اباحتِ مطلقہ کا دروازہ کھل جاتا تھا اور عقائد کے لحاظ سے وہ شخص فلسفہ مشائین کا پیرو بن جاتا تھا[1]

براؤن لکھتا ہے[2] کہ آخری درجے تک پہنچ کر مرید مذہب اسلام سے بیگانہ ہو جاتا تھا اور فلسفی بن جاتا تھا بقول نویری وہ مانوی یا مجوسی یا فلسفیانہ عقائد اختیار کر لیتا تھا بلکہ اس کا مذہب مختلف عقائد و افکار کا مجموعہ بن جاتا تھا۔

القداح اور قرمط دونوں نے اپنے متبعین کو جنہیں دعاۃ کا منصب دیا۔ یہ نصیحت کی تھی کہ جس شخص کو تبلیغ کرو پہلے اس کے عقائد سے واقفیت حاصل کرو۔ پھر اپنے آپ کو اس کا ہم خیال ظاہر کرو تاکہ وہ تم سے بدظن نہ ہو جائے۔ جب وہ تم پر اعتماد کرے تو اس کے عقائد کو آہستہ آہستہ متزلزل کرنا شروع کرو۔ اس لئے ان دعاۃ نے ہر جگہ اسی حربے کو استعمال کیا اور کامیابی حاصل کی[3]

چوتھی بحث

جس زمانے میں قرامطہ نے اپنی تبلیغی سرگرمیاں شروع کیں مسلمانوں میں تصوّف کا آغاز ہو چکا تھا اور مختلف سلسلے قائم ہو چکے تھے۔ قرامطہ نے صوفیوں کے حلقوں میں مقبولیت حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو صوفی ظاہر کیا یعنی تصوف کے لباس میں صوفیوں کو گمراہ کرنا شروع کیا اور اسلامی تصوف میں غیر اسلامی عقائد کی آمیزش کر کے ایران میں اس غیر اسلامی تصوّف کی بنیاد رکھ دی۔ جو رفتہ رفتہ تمام مسلمانوں میں شائع ہو گیا اور اسلامی تصوف کے ساتھ اس طرح مخلوط ہو گیا کہ اسلامی اور غیر اسلامی تصوف میں امتیاز کرنا عوام کے لئے ناممکن ہو گیا۔ کیونکہ جاہل عوام ہر زمانے میں اور ہر ملک میں دین اسلام کی حقیقت سے بیگانہ رہے ہیں یعنی غیر اللہ کو دستگیر، مشکل کشا اور حاجت روا مانتے رہے ہیں اور آج بھی مانتے ہیں۔

---

[1] دیکھو تاریخ خلافت بنی فاطمہ مؤلفہ اولیری صفحہ ۲۹،۲

[2] دیکھو براؤن جلد اول صفحہ ۴۱۵

[3] دیکھو ڈاکٹر اولیری کی تالیف تاریخ خلافت بنی فاطمہ صفحہ ۳۱،۳

ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ ایران کے اکثر باشندوں نے اسلام کو صدق دل سے قبول نہیں کیا تھا۔ قرامطہ نے جو غیر اسلامی عقائد جن کی وضاحت قبل ازیں کی جا چکی ہے تصوف کے لباس میں ایرانیوں کے سامنے پیش کیے مثلاً حلول، اتحاد، تجسم، تناسخ وغیرہ وہ سب ایسے تھے جو قبل اسلام، ایران کے مختلف طبقوں میں مروج تھے اس لئے ان لوگوں نے ان عقائد کو بخوشی قبول کر لیا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ اس مضمون سے چند اقتباسات ہدیہ ناظرین کر دیئے جائیں جو ایک غیر مسلم کا ہے۔ ای کرمسکی (KRYMSKY) نے تصوف کے ارتقاء پر لکھا تھا اور جسے حال ہی میں اسلامک کوارٹرلی کے مدیر نے مجلہ مذکورہ کی جلد ششم برائے سال ۱۹۶۱ء میں درج کیا ہے :-

"صوفی جماعت کے افراد اپنے آپ کو 'سنت کا سچا محافظ' کہتے تھے[1] لیکن ایران میں یہ لقب ان لوگوں نے بھی اختیار کر لیا تھا جن کے عقائد اسلام سے اس قدر بعید تھے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اُن کو جہنمی قرار دے دیتے۔

"یہ بات قابل غور ہے کہ جب ۲۶۰ھ میں عبداللہ ابن میمون القداح نے اسمٰعیلی فرقے کی اصلاح کی اور ان کو منظم کیا تو اس جماعت کے پوشیدہ طریق پر تبلیغ کرنے والوں کو یہ نصیحت کی کہ جب وہ مسلمانوں سے ملیں تو اپنے آپ کو صوفی ظاہر کریں تاکہ کسی کو ان پر شبہ کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ ان جدید اسماعیلیوں نے ایران اور دوسرے ملکوں میں تصوف کو عوام میں بڑی حد تک مقبول بنا دیا۔ لیکن اس خدمت کے معاوضے میں انہوں نے تصوف میں ایسے غیر اسلامی رجحانات اور عقائد داخل کر دیئے۔ جن کا اظہار چوتھی صدی ہجری ہی سے ہو۔ شروع ہو گیا۔"

(مجلہ اسلامک کوارٹرلی جلد ۶ شمارہ ۳، ۴ بابت جولائی و اکتوبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۱۰۵)

یہی مصنف اسی رسالے کے صفحہ ۸۷ کے حاشیے میں لکھتا ہے :-

---

[1] دیکھو رسالہ قشیریہ ۱۲

"اسمٰعیلی دُعاۃ نے جو پندرھویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہندوستان میں آئے، صوفیوں کا طریقہ اختیار کیا اور ہندوؤں سے کہا کہ حضرت علیؓ وشنو کے دسویں اوتار تھے چنانچہ پیر صدرالدین نے اسی حکمت عملی سے کام لے کر بہت سے ہندوؤں کو اپنے مذہب کا پیرو بنایا"

بخوف طوالت نہ تو میں قرامطہ کی تاریخ اس کتاب میں درج کر سکتا ہوں اور نہ اس فتنہ و فساد کی تفصیل بیان کر سکتا ہوں جو اس فرقے کے مبلغین نے دنیائے اسلام میں پھیلایا۔ میرا مطلب اس داستان سے صرف اس قدر ہے کہ میں ناظرین کو یہ بتادوں کہ مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف، جسے اسلام سے کوئی علاقہ نہیں ہے کس طرح شائع ہُوا اور میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ ایضاح مقصد کے لئے بالکل کافی ہے اس فرقے کے افراد نے تصوّف کے پردے میں اپنے عقائد کی جس طرح تبلیغ کی اور جس حکمت عملی سے کام لے کر تصوّف کو سراسر غیر اسلامی بنادیا۔ اس کی مثالیں بیکتاشی سلسلے اور نور بخشی سلسلے کے صوفیوں کے عقائد سے بخوبی مل سکتی ہیں:۔

بیکتاشی فرقہ صوفیوں کے اس فرقے کی تاریخ ڈاکٹر جے کے برج (BIRGE) نے اپنی کتاب "درویشوں کا بیکتاشی سلسلہ" میں مفصل طور پر لکھی ہے۔ بخوف طوالت صرف چند اقتباسات پر اکتفا کرتا ہوں۔

"اس سلسلے کا بانی حاجی بیکتاش ولی تھا جو ~~۲۸۱~~ھ میں خراسان (اسمٰعیلی دعاۃ کے مرکز) سے اناطولیا میں آیا تھا اس نے ~~۱۳۳۷~~ھ میں وفات پائی (صـ۳۵) ترکوں میں اس کے سلسلے کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ اس سلسلے کے عقائد حسب ذیل ہیں:۔

(۱) اللہ حقیقت واحدہ ہے۔

(۲) محمدؐ اور علیؓ دونوں اللہ کے مظاہر خاص ہیں۔

(۳) اللہ محمدؐ اور علیؓ تینوں میں عینیت کا علاقہ ہے۔

(۴) محمدؐ اور علیؓ درحقیقت ایک ہیں یا ایک شخص کے دو نام ہیں (صـ۱۳۲ و صـ۱۳۳)

ان چار عقیدوں سے اس بات کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے کہ اس سلسلے کے صوفیوں کو اسلام سے کتنا تعلق تھا!

حضرت علیؓ کے بارے میں اس سلسلے کے صوفیوں کے جو عقائد ہیں اس کا اندازہ "خطبۃ البیان" سے ہو سکتا ہے جو اس سلسلے میں بہت معتبر کتاب ہے اس میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں:۔

(۱) میرے پاس مفاتیح الغیب ہیں جن کو محمدؐ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ نیز عزرائیل (ملک الموت) میرا تابع فرمان ہے۔

(۲) میں لوح محفوظ ہوں۔ میں حجۃ اللہ ہوں۔ میں حجۃ الانبیاء ہوں۔

(۳) میں قسیم النار والجنت ہوں۔ میں اللہ کا دل ہوں۔ میں نوح اوّل ہوں۔

(۴) میں ذوالقرنین ہوں۔ میں عالم ماکان و مایکون ہوں میں منشی السحاب ہوں۔ میں مطرالانہار ہوں میں قیوم السماء ہوں۔ ص۱۴۲ و ص۱۴۳

یہ کتاب ۱۹۳۶ء میں لندن سے شائع ہوئی ہے۔ مزید معلومات کے لئے ناظرین بطور خود اس کتاب کا مطالعہ کر لیں۔

نوربخشی سلسلہ اس سلسلے کا تذکرہ پروفیسر محب الحسن نے اپنی تالیف "کشمیر زیر نگیں سلاطین" میں صفحات ۲۸۳ تا ۲۸۵ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "نوربخشیہ فرقے کا بانی سید محمد بن عبداللہ تھا جو ۷۹۵ھ ۱۳۹۳ء میں قائین (کوہستان) میں پیدا ہوا تھا۔ جوانی میں خواجہ اسحٰق خطلانی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ خواجہ صاحب امیر کبیر سید علی ہمدانی کے خلیفہ تھے خواجہ اسحٰق نے سید محمد کو، نوربخش کا لقب عطا کیا۔ نوربخش نے دعویٰ کیا کہ مجھے امام جعفر صادقؒ سے روحانی فیض حاصل ہوا ہے۔ اس کی تعلیمات میں شیعہ عقائد کا رنگ نمایاں ہے۔ اس سلسلے کے افراد خلفائے ثلاثہؓ کی شان میں گستاخی کرتے تھے۔ لیکن نوربخش نے امام مہدی المنتظر ہونے کا دعویٰ بھی کیا تھا۔ اس لئے شیعہ بھی اسے ناپسند کرتے تھے۔

کشمیر میں اس سلسلے کو شمس الدین نے شائع کیا۔ یہ شخص اپنے وطن شولغان

(ایران) سے چل کر پہلے ملتان آیا پھر ۱۵۰۲ء میں کشمیر پہنچا۔ کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد بلتستان میں نوربخشی عقائد کی تبلیغ کی پھر کشمیر واپس آیا اور کشمیر کے چک حکمران خاندان کو شیعہ مسلک کا پیرو بنایا۔"

ان تصریحات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ قرامطہ نے تصوف کے لباس میں اپنے مسلک کی تبلیغ کی اور تصوف میں ایسے عقائد داخل کر دیئے جو قرآنی تعلیمات کے خلاف ہیں۔

جیسا کہ ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں، قرامطہ نے ہمیشہ اس اصول پہ عمل کیا کہ " جیسا دیس ویسا بھیس" چنانچہ جب ان کے دعاۃ ہندوستان میں آئے تو انہوں نے ہندو صوفیوں اور جوگیوں اور پیروں کے طور طریقے اختیار کئے اور ہندوؤں میں حضرت علیؓ کو وشنو کے دسویں اوتار کے روپ میں پیش کیا۔ عوام میں ہر دلعزیزی حاصل کرنے کے لئے انہوں نے اپنے ناموں سے پہلے" پیر" کے لقب کا اضافہ کیا۔

پیر صدرالدین نے گجرات میں اور پیر شمس الدین نے ملتان میں تصوف کے پردے میں اپنے عقائد کی تبلیغ کی۔ اس بات کی تصدیق ڈاکٹر جے این ہالسٹر کی تالیف "شیعانِ ہند" سے بھی بخوبی ہو سکتی ہے۔ مصنف مذکور لکھتا ہے:۔

" اگرچہ صوفیوں اور شیعوں میں بنیادی اختلاف پایا جاتا ہے مگر اسماعیلیہ فرقے نے اس اختلاف کو بہت کم کر دیا چنانچہ اسمٰعیلی پیروں نے صوفیہ کے طریقے اختیار کر لئے۔" ص ۲۸۵

" فتح شاہ کے عہد حکومت میں ۱۴۹۶ء میں شمس الدین اسمٰعیلی داعی کشمیر میں آیا اور اس کے ساتھ چک قبیلے کے افراد بھی واپس آگئے جن کو فتنہ انگیزی کی پاداش میں ملک بدر کر دیا گیا تھا۔ یہ لوگ ابتدا میں آفتاب پرست تھے اور روشنائیہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ بادشاہ نے شمس الدین کو تبلیغ کی اجازت دی اور اس نے چک قبیلے کے افراد کو نوربخشی سلسلے میں داخل کر دیا" ص ۱۴۶

" نوربخشی سلسلے کے عقائد احوطہ نامی کتاب میں مندرج ہیں جو کفر اور الحاد کا

مرکب ہیں۔ نہ وہ عقائد شیعوں کے ہیں نہ سنیوں کے۔ یہ لوگ خلفائے ثلاثہ پر طعن کرتے ہیں۔ اس لئے سنی نہیں ہو سکتے اور نور بخش کو مہدی موعود یقین کرتے ہیں اس لئے شیعہ نہیں ہو سکتے (صفحہ ۱۴۲)

قرامطہ کا یہی طریق کار تھا کہ جس طرح ہو سکے خصوصاً تصوف کے پردے میں مسلمانوں کے اندر الحاد اور بے دینی کی اشاعت کی جائے اور اس مقصد میں وہ کامیاب ہو گئے یعنی انہوں نے تصوف کے پردے میں مسلمانوں کے دلوں میں غیر اسلامی عقائد جاگزیں کر دیئے۔ مؤلف مذکور اسی کتاب کے صفحہ ۳۳۳ پر لکھتا ہے۔

" اسمٰعیلی سیدوں کا ایک قافلہ قاہرہ سے چل کر سبزوار آیا۔ پیر شمس الدین[1] سبزواری یہیں سے ملتان آیا تھا اور اس نے صوفیوں کے لباس میں اسمٰعیلیت کی تبلیغ کی۔ بعض لوگوں نے شمس الدین سبزواری کو غلطی سے شمس تبریز سمجھ لیا ہے جو جلال الدین رومی کا مرشد تھا۔ پیر[2] شمس الدین جو اسمٰعیلیہ نزاریہ فرقے کا داعی تھا سنہ ۱۲۹۶ء میں کشمیر آیا اور تقیہ کر کے اپنے آپ کو یہاں کے باشندوں کے رنگ میں رنگین کر لیا۔ چنانچہ ایک دن جبکہ ہندو دسہرے کی خوشی میں گربا رقص کر رہے تھے پیر صاحب بھی اس رقص میں شریک ہو گئے اور ۲۸ "گربا" گیت تصنیف فرمائے۔ رفتہ رفتہ ہندو ان سے مانوس ہو گئے اور انہوں نے بہت سے ہندوؤں کو امام الزماں حضرت قاسم شاہ نزاری کا پیرو بنا دیا صفحہ ۳۵۳

کشمیر سے پیر شمس الدین اُچ میں آیا جو ملتان سے اسی میل دور ہے روایت ہے کہ یہاں اس نے ایک امیر آدمی کے مردہ بیٹے کو زندہ کر دیا جس کی وجہ سے عوام میں اسے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہو گئی چنانچہ اس نے پیری مریدی

---

[1] یہ دوسرا پیر شمس الدین ہے۔ پہلا شمس الدین نور بخشی فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا مزار ملتان میں ہے۔ [2] یہ تیسرا پیر شمس الدین ہے۔ جس کا مزار اُچ میں ہے۔ ۱۲

کا سلسلہ شروع کر دیا اور اس کے مرید شمسی کہلاتے ہیں۔ اس نے ۵۸۷ھ، ۱۱۹۱ء میں وفات پائی۔" (صـ۳۵۵)

"پیر صدر الدین اسمٰعیلی نزاری فرقے کا داعی بھی پیروں کے لباس میں ہندوستان آیا تھا اس نے ۱۴۳۰ء میں تبلیغ کا آغاز کیا اور قرامطہ کے اصول تبلیغ کے مطابق اس نے اپنا ہندوانی نام سہدیو رکھا اور پنجاب کے لوہانہ راجپوتوں کو اپنے مذہب میں داخل کیا۔ اس نے کہا کہ وشنو کا دسواں اوتار حضرت علیؓ کی صورت میں ظاہر ہو چکا ہے اس کے پیرو صوفیوں کی زبان میں محمد اور علی کی

تعریف میں بھجن گایا کرتے تھے اس نے اپنے مریدوں کے لئے دشم اوتار نامی کتاب لکھی، جو آج بھی اسمٰعیلی نزاری خوجوں کی نہایت مقدس مذہبی کتاب ہے[1]۔ پیر صدر الدین نے اُچ میں وفات پائی۔ اس کے مزار پر ہر سال عرس منعقد ہوتا ہے جو ترنڈا گورنچ میں واقع ہے۔ یہ قصبہ اُچ سے ۱۵ میل کے فاصلے پر ریاست بہاولپور میں واقع ہے۔" (صـ۳۵۶، صـ۳۵۵)

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قرامطہ نے صوفیوں اور پیروں کے لباس میں غیر اسلامی عقائد کی تبلیغ کی اور اس طرح غیر اسلامی تصوّف عالم وجود میں آگیا۔ جس میں تمام غیر اسلامی عقائد مثلاً تثلیث، تجسم، کفارہ، حلول، الوہیت علیؓ، رجعت، بداء، اتحاد، تناسخ ارواح اور قدامت مادہ وغیرہ داخل ہیں۔ عوام بے چارے یہ سمجھے کہ یہی اصلی تصوف ہے جو قرامطہ صوفیوں کے لباس میں پیش کر رہے ہیں۔ انا للہ!

اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ایک طرف قرامطہ نے صوفیوں کے لباس میں مسلمانوں کو غیر اسلامی تصوّف سے مانوس کر دیا۔ دوسری طرف مسلمان صوفیوں کی تصانیف میں نہایت چابکدستی کے ساتھ اپنے عقائد داخل کر دیئے۔ عربی میں اس کو تدسیس کہتے ہیں چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانی نے الیواقیت والجواہر صـ۷ میں لکھا ہے کہ

"باطنیہ، ملاحدہ اور زنادقہ نے سب سے پہلے امام احمد بن حنبلؒ پھر امام غزالی کی تصانیف میں اپنی طرف سے تدسیس کی نیز اس فرقہ باطنیہ نے ایک کتاب

[1] جیسے مسلمانوں کی نگاہ میں قرآن مجید۔

جس میں اپنے عقائد کی تبلیغ کی تھی۔ میری زندگی میں میری طرف منسوب کردی اور میری انتہائی کوشش کے باوجود یہ کتاب تین سال تک متداول رہی"۔

اس اقتباس سے ناظرین اس فرقہ کی دلیری، عیاری اور معاملانہ سرگرمیوں کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ اگر استقصار کیا جائے تو اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے، مگر میں چند مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں:۔

۱۔ اس فرقے نے بہت سی روایات وضع کر کے مسلمانوں میں شائع کر دیں۔ اس فرقے کے صوفیوں نے اپنی مجلسوں میں ان وضعی روایات کو مسلسل بیان کیا اور سامعین نے ان مقدس حضرات پر اعتماد کر کے انہیں قبول کر لیا مثلاً

"بکتاشی سلسلے میں یہ روایت بہت مقبول ہے کہ جب جنگ احد میں آنحضرت صلعم زخمی ہو گئے اور جسم سے خون بہنے لگا تو جبریل نے آکر آپ سے کہا کہ "نادِ علیا" والی دعا پڑھو یعنی علیؓ کو پکارو جب آپ نے یہ دعا پڑھی تو علیؓ فوراً آپ کی مدد کے لئے آئے اور کفار کو قتل کر کے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو قتل ہونے سے بچا لیا"۔

(دیکھو درویشوں کا بکتاشی سلسلہ مصنفہ ڈاکٹر برج صفحہ ۱۳۵ مطبوعہ ہارٹفورڈ (امریکہ) ۱۹۳۷ء)

ارباب علم جانتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے جنگ احد میں اس قسم کی کوئی دعا نہیں پڑھی۔ یہ دعا تاریخ یا سیرت یا مغازی کی کسی مستند کتاب میں مرقوم نہیں ہے۔ علاوہ ازیں جب جنگ احد میں حضرت علیؓ از اول تا آخر حضور انور کے ساتھ رہے تو انہیں پکارنے کی ضرورت کیسے پیش آسکتی تھی۔؟

یہی روایت اہل سنت کی کتابوں میں راہ پا گئی کیونکہ عقیدت میں غلو انسان کو تحقیق اور درایت دونوں سے بیگانہ کر دیتا ہے۔ چنانچہ سید مظفر علی شاہ صاحب چشتی اپنی تالیف موسومہ جواہر غیبی مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۹۷ء میں صفحہ ۱۴۱ پر لکھتے ہیں:۔

"در غزوۂ تبوک چوں لشکر اسلام شکستہ شد حضرت سید عالم صلعم در میان کشتگان پنہاں شدند جبریل ایں کلمات آوردند"

نادِ علیاً مظہر العجائب تجدہ عوناً لک فی النوائب کل ھم و غم سینجلی بنبوتک یا محمد و بولایتک یا علی یا علی یا علی"[1]

اللہ مصنف مرحوم کی علمی اور تاریخی لغزشوں کو معاف فرمائے! انہوں نے اس روایت کو زیب کتاب بناتے وقت یہ بھی نہ سوچا کہ غزوۂ تبوک میں تو سرے سے قتال ہی نہیں ہوا اور اسی لئے مورخین اسے غزوہ نہیں کہتے۔ دراصل یہ وہی روایت ہے جو بکتاشی سلسلے کے صوفیوں میں متداول ہے اور انہی کی کتابوں سے سید صاحب نے اپنی کتاب میں نقل کر لی ہے۔ خدا معلوم جنگ احد کے بجائے انہوں نے "غزوۂ تبوک" کہاں سے نقل کر لیا اور کیسے لکھ دیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سیرۃ النبیؐ یا تاریخ اسلام کا قطعاً مطالعہ نہیں کیا تھا۔

مجھے اس روایت کو نقل کر کے یہ دکھانا مقصود ہے کہ قرامطہ نے جو نظامِ عقائد مدون کیا تھا وہ قرآن کی ضد ہے، چنانچہ اس روایت سے ان کا مقصد قرآن کی اس آیت کی تردید تھا۔

"وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ" (سورۂ یونس آیت ۱۰۷)

"اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس مصیبت کو دور کرنے والا نہیں ہے۔" قرآن کی رو سے اللہ کے علاوہ کوئی شخص دستگیر یا مشکل کشا یا حاجت روا یا کارساز نہیں ہے۔ چونکہ قرامطہ براہ راست مسلمانوں کو شرک کی تعلیم نہیں دے سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے صوفیوں کا روپ دھارا اور اپنے ظاہری تقدس، وضع قطع، لباس، گفتگو اور طرز عمل سے مسلمانوں کو دھوکا دیا اور یہ مشرکانہ

---

[1] (اے محمدؐ) علی کو پکار جو عجائبات کا ظاہر کرنے والا ہے تو اسے مصیبتوں میں اپنا معین پائے گا تمام پریشانیاں اور غم تیری نبوت اور علی کی ولایت کے وسیلے سے عنقریب دور ہو جائیں گے۔ (اس دعا کا پڑھنے والا اگر علیؓ کو محمدؐ سے افضل سمجھ لے تو اس کا کیا قصور ہے۔)

تعلیم بآسانی ان کی محبوب شخصیت کے نام کے پردے میں، ان کے دماغوں میں جاگزیں کردی اور داد طلب امر یہ ہے کہ یہ کام ایسی عمدگی سے انجام دیا کہ عوام دھوکہ کھا گئے اور مرورِ ایام سے یہ روایات مسلمان صوفیوں کے صوفیانہ لٹریچر کا جزو لاینفک بن گئیں۔ اور اب ان روایات کو صوفیانہ لٹریچر سے خارج کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا گوشت کو ناخن سے جدا کرنا۔

اسلامی تصوف کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صوفی کو سب سے پہلے یہ تلقین کی جاتی ہے کہ :۔

ا۔ اللہ کے سوا کسی شخص میں خواہ وہ نبی ہو یا رسول، غوث ہو یا قطب، کوئی قدرت نہیں ہے۔

ب۔ غیر اللہ سے استمداد درکنار، اس کی طرف متوجہ ہونا بھی سالک کے لئے مضر ہے۔ ہر وقت اللہ کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے۔ اسی کو تَبَتُّل کہتے ہیں۔

ج۔ مَاشَآءَ اللہ لَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللہ۔ جب تک اللہ قوت عطا نہ کرے کسی شخص میں فعل کی کوئی قوت پیدا نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ سر آمد موحدین رئیس المتقین حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی اپنی تصنیف فتوح الغیب میں مقالہ سوم میں فرماتے ہیں۔

لَافَاعِلَ فِی الْحَقِیْقَةِ اِلَّا اللہ

یعنی درحقیقت اللہ تعالٰے کے سوا اس کائنات میں کوئی فاعل نہیں ہے۔

سارا قرآن از اوّل تا آخر اس حکم سے معمور ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو مت پکارو صرف دو تین آیتیں درج کرتا ہوں۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللہِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ

اور اللہ کو چھوڑ کر کسی کو مت پکار کیونکہ من دون اللہ جو بھی ہے (خواہ رسول ہو یا ولی) وہ نہ تجھے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان (سورۂ یونس آیت ۱۰۶)

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللہِ اِلٰھًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ج

اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے الٰہ کو مت پکار (کیونکہ) اللہ کے سوا اس

کائنات میں) دوسرا اللہ (نافع یا ضار) موجود ہی نہیں ہے (۲۸-۸۸)

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ

پس اللہ کے ساتھ کسی دوسرے اللہ کو مت پکار۔ اگر ایسا کرے گا تو بلا شبہ تو عذاب پانے والوں میں سے ہو جائے گا۔ (۲۶-۲۱۳)

قرامطہ کا مقصد مسلمانوں کو توحید سے منحرف کر کے مشرکین کی صف میں داخل کرنا تھا اسی لئے ان کے روحانی اور دینی پیشوا عبداللہ ابن سباء نے حضرت علیؓ کو خدا بنایا۔ اور اگرچہ حضرت علیؓ نے اسے قتل کرا دیا مگر وہ مرتے مرتے شرک کا بیج اسلام کی زمین میں بو گیا۔ قرامطہ اسی بیج کا درخت تھے جس کے اثمار تلخ سے ہم چودھویں صدی میں "مستفید" ہو رہے ہیں۔

اسلام کی امتیازی صفت یہ تھی کہ یہ دین انسان پرستی کی لعنت سے پاک تھا۔ عبداللہ ابن سباء اور اس کے جانشینوں القداح اور حمدون قرمط نے انتہائی چابکدستی کے ساتھ اسلام کو اسی امتیازی صفت سے محروم کر دیا۔ ہندوؤں کے یہاں رام اور کرشن خدا کے اوتار ہیں قرامطہ کے یہاں اسماعیل اور علی خدا کا اوتار ہیں وہ بوقت مصیبت رام کو پکارتے ہیں اور یہ بوقت مصیبت علیؓ کو پکارتے ہیں۔ خدا وہاں بھی معطل ہے۔ یہاں بھی، انہی قرامطہ کی تقلید میں اکثر مسلمان حضرت علیؓ کو مشکل کشا سمجھتے ہیں اور ہر مشکل کے وقت خدا کے بجائے انہیں پکارتے ہیں اور جو مسلمان انہیں اس فعل سے منع کرتا ہے اسے "وہابی" کہتے ہیں۔

قرامطہ نے صوفی بن کر مسلمانوں کو جس حد تک گمراہ کیا، عمل صالح اور جدوجہد سے بیگانہ بنایا۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے "نادِ علیاً" سے دنیا جہان کی تاثیر منسوب کر دی ہیں اپنے دل پہ جبر کر کے بلکہ پتھر کی سل رکھ کر جواہر غیبی سے ان کلمات کے خواص نقل کرتا ہوں۔

"خواص ایں کلمات بسیار است۔"

۱۔ اگر مسحور ہفت بار بر آب چاہ بخواند و ازاں غسل کند، سحر باطل شود۔

۲۔ اگر اول ساعت جمعہ چہل و ہشت بار بخواند با ہر کہ سخن راند، محب او شود۔

۳۔ اگر از دشمن خوف باشد ہر روز ہفتاد بار بخواند، دشمن مقہور شود۔

۴۔ برائے اخلاص محبوس ہر روز شصت بار بخواند۔

۵۔ برائے حصولِ دولت ہر بامداد صد بار بخواند۔

۶۔ برائے رویت آنحضرت صلعم ہر شب سہ ہزار بار بخواند۔

۷۔ برائے کشفِ کنوز و اسرارِ غیب چہل روز، ہر روز شصت و ہفت بار خواند۔

۸۔ برائے تحصیلِ علوم ہر روز ہفتاد بار خواند۔

۹۔ برائے بغض و عداوت میانِ دو شخص بست بار بخواند۔

۱۰۔ برائے تحصیل مرادات ہر روز بست و چہار بار بخواند صفحہ ۲۴۱ و صفحہ ۲۴۲

بخوف طوالت صرف انہی خواص پر اکتفا کرتا ہوں۔ کتاب میں اسی قدر خواص اور بھی مرقوم ہیں ان خواص پر تنقید کے بجائے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اسی قسم کے تصوّف نے مسلمانوں کو قوتِ عمل سے محروم کر دیا۔ یہ سوال خارج از بحث ہے کہ ان کلمات میں یہ تاثیر کہاں سے ثابت ہے کیونکہ اس قسم کے اسرار و رموز فہم انسانی سے بالاتر ہیں۔

ایک بات اور عرض کروں، اس روایت کے واضع نے کمال دانائی سے حضرت علیؓ کا مرتبہ سرکارِ دو عالم صلعم سے بڑھا دیا اور واضع کا اصلی مقصد یہی تھا کہ مرکز توجہ حضورِ انور صلعم کی جانب سے ہٹ کر حضرت علیؓ کی طرف منتقل ہو جائے نہ اللہ سے تعلق باقی رہے نہ رسول اللہ سے۔

یہ ایک روایت ہے اُن صدہا روایات لایعنی میں سے جنھوں نے مسلمانوں کے عقائد میں شرک کی آمیزش کر دی اور قرامطہ نے یہ کارنامہ تصوّف کا لبادہ اوڑھ کر انجام دیا۔ عوام جب ان کی مجلسوں میں جاتے تھے تو یہ لوگ پہلے ان کو اپنے ظاہری تقدّس سے مسحور کرتے تھے۔ پھر ان کے عقائد کو غیر اسلامی تصوّف کے سانچے میں ڈھال دیتے تھے۔

نظر اُن کی رہی مجلس میں بس حشو و زوائد پر
گرا کیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر

حاشیہ صفحہ ۳۹

اگر تصوّف اسی بات کا نام ہے کہ مسلمان خدا پرستی کے بجائے شخصیت پرستی میں مبتلا ہوجائے تو ایسے تصوّف سے ہر سچا مسلمان ہزار بار اللہ کی پناہ طلب کرے گا۔

قرامطہ نے فصوص الحکم، فتوحاتِ مکیہ، مثنوی مولانا روم احیاء العلوم اور دوسری مشہور کتابوں میں اپنی طرف سے عبارتیں اور اشعار داخل کردیئے بلکہ بہت سی کتابیں خود لکھ کر بعض بزرگوں کے نام سے منسوب کردیں مثلاً ایک دیوان حضرت علیؓ سے منسوب کردیا۔ بہت سی رباعیات مختلف صوفیوں سے منسوب کردیں، مثلاً یہ مشہور رباعی حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ سے منسوب کردی۔

شاہ است حسینؓ بادشاہ ہست حسینؓ	دین است حسینؓ دیں پناہ ہست حسینؓ
سرداد نداد دست در دست یزید	حقا کہ بنائے لا الٰہ ہست حسینؓ

قرامطہ نے بہت سی غزلیں مولانا روم کے دیوان میں شامل کردیں جس کا نام دیوان شمس تبریز ہے۔ ایک غزل کے چند اشعار ذیل میں درج کرتا ہوں:۔

شاہے کہ ولی بود وصی بود علی بود	سلطانِ سخا و کرم وجود علی بود
ہم اول و ہم آخر و ہم ظاہر و باطن	ہم موعد و ہم وعدہ موعود علی بود
گویند ملک ساجد و مسجود و بُد آدم	از من بشنو ساجد و مسجود علی بود
ہم آدم و ہم شیث و ہم ایوب و ہم ادریس	ہم یوسف و ہم یونس و ہم ہود علی بود
جبریل کہ آمد ز بر خالقِ بیچوں	در پیش محمدؐ شدہ و مقصود علی بود
ایں کفر نباشد سخن کفر نہ این است	تا ہست علی باشد و تا بود علی بود

مرشد رومی ہرگز یہ غزل نہیں لکھ سکتے تھے کیونکہ دوسرے شعر کا پہلا مصرع بقولِ نص قرآنی "ہو الاول والاخر والظاہر والباطن" اللہ تعالیٰ کی صفات پر شاہد ہے اور کوئی مسلمان اس نص کو غیر اللہ کی ذات پر منطبق کرنے کی جسارت نہیں کرسکتا۔ یہ کام وہی

حاشیہ صد ۳۸ ۔ اکبر الٰہ آبادی کا شعر ہے :۔

نظراں کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر	گرا کیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر

میں نے اپنے مطلب کو واضح کرنے کے لئے اس میں تصرف کردیا ہے ۱۲

شخص کرسکتا ہے جو حضرت علیؓ کو خدا یا خدا کا اوتار سمجھتا ہے۔ اور عبداللہ ابن سبا کی اور اس کے متبعین القداح اور قرمط کی تعلیم کا سنگ بنیاد ہی الوہیتِ علیؓ کا عقیدہ ہے لہٰذا یہ غزل انہی کے پیرو لکھ سکتے ہیں چند اشعار اور بھی درج کرتا ہوں۔

اول و آخر توئی ظاہر و باطن توئی	مفخر عالم توئی شاہ سلام علیک
با حیدر خود حیدرم بیروں ز حیدر کافرم	حق زا بحقِ من عرف ازشاہ مرداں یافتم
اے رہنمائے مومناں، اللہ مولانا علیؓ	اے عیب پوش و غیب داں اللہ مولانا علیؓ
قاضی و شیخ و محتسب دارد بدل بغض علیؓ	ہر سہ شدہ مرتد ز دیں بری اللہ مولانا علیؓ

مرشد رومی یہ اشعار ہرگز نہیں لکھ سکتے تھے کیونکہ عیب پوش اور غیب داں یہ اللہ کی صفات ہیں نہ کہ حضرت علیؓ کی۔

دیوان شمس تبریز پر جلال ہمائی نے جو مقدمہ لکھا ہے اس میں ان اشعار کو الحاقی قرار دیا ہے (دیکھو مقدمہ صفحہ دیوان شمس تبریز مطبوعہ طہران ۱۳۳۵ھ شمسی)

خواجہ اجمیریؒ یا مرشد رومیؒ کی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا حقیقت ہے! قرامطہ اور ان کے ہم خیالوں نے تو اس قدر جسارت کی کہ اپنے مزعوماتِ باطلہ احادیث نبوی کے لباس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر دیئے۔ منجملہ ان کی یہ حدیث ہے جو ترمذی میں بھی موجود ہے۔ انا مدینۃ العلم یا انا دار الحکمۃ وعلی بابھا

شیخ الاسلام آیۃ من آیات اللہ مجاہد اعظم حضرت سیدی و شیخی و مولوی سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ العزیز مکتوب ۵ میں ص ۱۷۹ و ص ۱۸۰ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ روایت نہ تو صحیحین میں ہے اور نہ روایت کا ذکر کرنے والے اس کی تصحیح فرماتے ہیں"

ترمذی نے بھی روایت کرنے کے بعد کلام کیا ہے کہ بعض علماء نے یہ حدیث شریک تابعی سے روایت کی ہے مگر علمائے حدیث اس کو ثقات میں سے نہیں پہچانتے۔ سوائے شریک کے علامہ ابن جوزی نے موضوعات میں اس کے جملہ طرق پر یقین کے ساتھ باطل ہونے کا حکم دیا ہے۔ ایک جماعت محدثین کی اس کے موضوع ہونے کی قائل ہے

امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین صاف فرماتے ہیں۔ کہ اس روایت کی سرے سے کوئی اصل ہی نہیں ہے۔ طاہر پٹنی نے بھی اس کی صحت کا انکار کیا ہے ... امام العصر مولانا انور شاہ صاحب بھی روایت کی صحت کو تسلیم نہیں فرماتے (حاشیہ از مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی مرتب مکتوبات شیخ الاسلام) (ماخوذ از مکتوبات شیخ الاسلام حصہ اول۔ اردو بک اسٹال لاہور)

صوفیہ کے اشعار میں تدسیس اور الحاق کی وبا اس قدر عام ہو چکی تھی کہ جب مولانا جامیؒ بغداد آئے تو ان دنوں وہاں روافض کا ہجوم تھا۔ انہوں نے مولانا کی کتاب "سلسلة الذہب" پر چند اعتراضات کئے تھے۔ ایک رافضی نے حضرت علیؓ کی شان میں چند مبالغہ آمیز اشعار لکھ کر مولانا سے منسوب کر دیئے۔

ایک دن جامع مسجد بغداد میں مجلس مناظرہ قائم ہوئی جس کا مقصد یہ تھا کہ روافض اپنے اعتراضات پیش کریں گے مگر پہلے ان اشعار پر اعتراض ہوا جو ایک رافضی نے مولانا سے منسوب کر دیئے تھے۔ سُنی علماء نے ان اشعار پر اعتراض کیا۔

اس داستان کی تفصیل کے لئے دیکھو حیات جامی مؤلفہ ڈاکٹر علی اصغر حکمت مطبوعہ طہران ص۸۳۔

مجھے اس واقعہ سے صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ اسمٰعیلیہ قرامطہ اور روافض کا یہ محبوب مشغلہ تھا کہ وہ صوفی شعراء کے کلام میں حضرت علیؓ کی شان میں ایسے مبالغہ آمیز اشعار جن سے الوہیتِ علی پر استدلال ہو سکے، اپنی طرف سے شامل کر دیا کرتے تھے۔

اگر یہ سوال ہو کہ انہیں اس کی جرأت کیسے ہوتی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمام صوفی سلسلے اور تمام صوفی افراد بلا استثنا احدے حضرت علیؓ کو نہایت مکرم، محترم اور لائق توقیر سمجھتے ہیں۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ سلاسل اربعہ میں سے تین سلسلے حضرت علیؓ پر منتہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا صوفی شعراء نے جہاں خلفائے ثلاثہ کی منقبت میں زور قلم صرف کیا ہے وہاں حضرت علیؓ کی منقبت میں بھی اپنی عقیدت کا مظاہرہ کیا ہے اس لئے روافض اور قرامطہ کو مبالغہ آمیز اشعار شامل کلام کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں

آسکتی تھی۔ فرض کیجئے مولانا جامی نے اکیس شعر کی ایک نظم حضرت علیؓ کی شان میں لکھی تو اگر کوئی شخص دو تین ایسے شعر جن میں حضرت علیؓ کو خدا بنا دیا گیا ہو اس نظم میں چپکے سے شامل کر دے۔ (اور اسی کو ندسیس کہتے ہیں) تو کیا دشواری لاحق ہو سکتی ہے۔؟

قرامطہ نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے جہاں اور ہتھکنڈے استعمال کئے وہاں یہ حربہ بھی استعمال کیا کہ اپنی مجلسوں میں مسلسل اس گمراہ کن عقیدے کی تبلیغ کی کہ "شریعت اور طریقت دو جداگانہ چیزیں ہیں اور جب ایک شخص طریقت کے دائرے میں قدم رکھتا ہے تو اس کے لئے شریعت کی پابندی لازمی نہیں رہتی۔ جی چاہے پابندی کرے جی چاہے نہ کرے۔"

ملوکیت نے دین اور دنیا میں تفریق تو پہلے ہی سے قائم کر دی تھی اور اس غیر اسلامی تعلیم نے مسلمانوں کی اجتماعی اخلاق اور دینی زندگی کو تباہ کر دیا تھا۔ رہی سہی کسر اس غیر اسلامی تصوّف نے پوری کر دی کیونکہ شریعت اور طریقت کی تفریق سے اباحتِ مطلقہ کا دروازہ کھل گیا اور مسلمانوں کی روحانی زندگی ختم ہو کر رہ گئی۔

قرامطہ کو اس تفریق کی ضرورت اس لئے بھی پیش آئی کہ اگرچہ انہوں نے مصلحتاً تصوّف کا لبادہ اوڑھ لیا تھا مگر دل تو بدستور غیر اسلامی تھا اس لئے انہوں نے اس "نکتۂ معرفت" کو شدومد کے ساتھ پیش کیا تاکہ کوئی شخص ان پر عدم پابندیٔ شرع کا الزام عائد نہ کر سکے۔ علاوہ ازیں ان جعلی صوفیوں کے حاشیہ نشینوں نے عوام کو یہ کہہ کر گمراہ کیا کہ نماز پنجگانہ تو عوام کے لئے ہے یہ حضرات تو ہر وقت نماز میں مشغول رہتے ہیں۔

اس تعلیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ مسلمانوں میں قلندری اور ملامتی درویشوں کی جماعتیں پیدا ہو گئیں ان دونوں جماعتوں کے افراد، پابندیٔ شریعت سے آزاد رہتے تھے بلکہ اس آزادی میں فخر محسوس کرتے تھے اور تحقیرِ شریعت کو اپنے لئے طغرائے امتیاز بناتے تھے۔

قلندروں کی جماعت نے سیاحت اور صحرانوردی کو اپنا شعار بنایا، کیونکہ اس طرح سیر و تفریح کے مواقع بھی بآسانی میسر آسکتے تھے اور جدوجہد کے بغیر زندگی بسر ہو سکتی

تھی یعنی جس شہر میں پہنچے وہاں کے مسلمانوں پر اپنے تقدس (ترک دنیا) کا سکہ جما کر اعلیٰ درجے کی ضیافت کا انتظام کر لیا۔ رفتہ رفتہ ان کے اخلاق بالکل تباہ ہو گئے بخوف طوالت تفصیل سے اجتناب کرتا ہوں۔

رہے ملامتی فرقے کے لوگ تو انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو سب سے زیادہ ضعف پہنچایا کیونکہ دین کی بنیاد ہی منہدم کر دی انہوں نے ہر اس فعل کا ارتکاب کیا، جس کی شریعت نے ممانعت فرمائی ہے۔ قرامطہ نے ان کو یہ نکتہ عجیبہ جسے ابلیسی فی ہانت کا شاہکار کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ سمجھایا کہ

۱۔ تصوّف کا مقصود ہے نفس امارہ کو مغلوب کرنا۔

۲۔ اس کے مغلوب کرنے کا ایک طریقہ اس کی تذلیل بھی ہے۔

۳۔ اس لئے ایسے کام کرو جن کی وجہ سے لوگ تمہیں برا کہیں۔

۴۔ جب لوگ تمہیں بُرا سمجھیں گے، گالیاں دیں گے، دین اسلام سے خارج کر دیں گے تمہارا سوشل بائیکاٹ کریں گے، تو یقیناً نفس امارہ، نفس مطمئنہ میں تبدیل ہو جائے گا۔

چونکہ اتباع شریعت نفس پر گراں ہے اس لئے یہ ملامتی طریقہ "بہت جلد مقبول ہو گیا اور آج بھی ہند و پاکستان کے مختلف شہروں میں آپ کو ایسے لوگ مل سکتے ہیں جو

۱۔ علانیہ شریعت اور طریقت میں تفریق کرتے ہیں اور "پیر" ہونے کے باوجود نہ نماز پڑھتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں نہ اتباع شریعت کرتے ہیں وجہ کیا ہے؟ صرف یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ اب ہم روحانیت کے اس مقام پر فائز ہیں جہاں یہ رسوم ظاہری بے کار ہو جاتی ہیں اور اپنے زعم باطل کی تائید میں یہ آیت پیش کر دیتے ہیں۔

"وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ"

یعنی اپنے رب کی اس وقت تک عبادت کر جب تک تجھ میں یقین کی کیفیت پیدا نہ ہو اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ چونکہ ہمارے اندر یقین پیدا

ہو چکا ہے اس لئے اب ہمیں عبادت کی ضرورت نہیں ہے۔ حالانکہ افضل الرسل خیر البشر سرکارِ دو عالم آخر وقت تک نماز پڑھتے رہے!

۲۔ جو درویشی کے پردے میں منہیات کا ارتکاب کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم اسی لئے تو شراب پیتے ہیں کہ لوگ ہمیں برا سمجھیں اور اس طرح ہمارا نفس مردہ ہو جائے جو مقصود اسلام ہے۔

یہ "بے شرع" اور "خلاف شرع" صوفی جو در اصل ملاحدہ اور زنادقہ کی جماعت کے دو افراد ہیں پانچویں صدی سے دنیائے اسلام میں اپنی فتنہ پردازی اور شرارت انگیزی میں مصروف ہیں۔ میں صرف ایک شخص کا ذکر کر دوں گا جس کا نام مادھو لال حسین ہے۔ یہ شخص اکبر کے عہد میں لاہور میں رہتا تھا ایک طرف اپنے اشعار میں خالص توحید اور عشق الٰہی کا درس دیتا تھا۔ دوسری طرف ایک کھتری بچہ مادھو کے عشق میں گرفتار تھا اور بلا تامل خلاف شرع امور کا ارتکاب کرتا تھا۔

ملامتی فرقے کے درویش لاہور کے علاوہ دلی میں بھی تھے۔ اسی لئے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ

"جو صوفی شریعت اور طریقت میں فرق کرے وہ صوفی نہیں ہے بلکہ فرقۂ باطنیہ سے تعلق رکھتا ہے۔"

میرا خیال ہے کہ میں نے اپنے دعوے کے ثبوت میں کافی سے زیادہ شواہد پیش کر دیئے ہیں کہ بلا شبہ

۱۔ مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوّف بھی پیدا ہوا جسے ہم ایرانی یا عجمی تصوّف بھی کہہ سکتے ہیں اور اس تصوّف کو اسلام سے کوئی علاقہ نہیں ہے کیونکہ اس کی بنیادی تعلیمات اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہیں جیسا کہ مہدی توحیدی پورنے نفحات الانس کے عنوان میں لکھا ہے۔

"زیرا اصولِ طریقتِ تصوّف در بسیارے موارد با قوانین دین مبین اسلام معارض است۔"

اور اس میں کیا شک ہے کہ ایرانی تصوّف، اکثر موارد میں دین مبین اسلام کے قوانین کی ضد ہے۔ اسلام خدا پرستی سکھاتا ہے اور یہ غیر اسلامی یا ایرانی تصوّف انسان پرستی کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔

۲- اس غیر اسلامی تصوّف کا بیج قرامطہ نے بویا انہوں نے اپنے مقاصدِ مشئومہ اور عقائد مذمومہ کی تبلیغ کے لئے تصوّف کو آلۂ کار بنایا اور صوفیوں کے لباس میں بے شمار مسلمانوں کو گمراہ کر دیا۔

بطورِ تائیدِ مزید، مقدمہ شرح گلشن راز نوشتۂ آقائے کیوان سمیعی (شیعہ اثنا عشری) سے چند اقتباسات کا اردو ترجمہ ذیل میں درج کرتا ہوں۔

"صوفیوں میں حلول و اتحاد کے غیر اسلامی عقائد کی اشاعت کا ظاہری سبب یہ ہے کہ مسلمانوں میں فرقِ ضالہ کے پیروؤں نے اپنے مقاصدِ پلید کی اشاعت کے لئے، اپنے آپ کو صوفیوں کے لباس میں ظاہر کیا۔ ان لوگوں کی صورت تو صوفیانہ تھی مگر سیرت صوفیانہ نہیں تھی۔ ان لوگوں نے اپنے غلط عقائد صوفیوں میں شائع کر دیئے اور چونکہ عامۃ الناس ان میں اور سچے صوفیوں میں فرق نہ کر سکے (اور کر بھی کیسے سکتے تھے) اس لئے فرقِ مذکورہ کے معتقدات کو صوفیوں کے معتقدات سے مخلوط اور منسوب کر دیا چنانچہ شمس الدین محمد سخاوی اپنی تصنیف "الضوء اللامع" میں دربارۂ فضل اللہ استر آبادی (جو باطنی بھی تھا اور مذہب اتحاد کا بھی معتقد تھا اور فرقۂ حروفیہ کا بانی بھی تھا) لکھتا ہے،

"وے بلباسِ درویشاں درآمد خود را ازاں طائفہ معرّفی کرد"۔ وہ درویشوں کے لباس میں ظاہر ہوا اور اپنے آپ کو اسی گروہ سے وابستہ کر کے ایک صوفی کی حیثیت سے پیش کیا۔ اس کے باوجود تعطیل احکام شرعیہ و اباحتِ محرّمات و ترک مفترضات کا حکم دیا۔ (الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع جلد ۶ صفحہ ۱۷۳)"

پروفیسر ای جے ڈبلو گب اپنی تاریخ شعر ترکان عثمانی کے صفحہ ۳۴۳ پر لکھتا ہے۔

"تاریخ اسلام میں بارہا ایسا اتفاق ہوا ہے کہ دعاۃِ مذہب بدع وضلال

نے اشتباہ کاری اور اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے عوام کے حسنِ ظن کو مدِنظر رکھ کر، باطل عقائد رکھنے والے صوفیہ سے استفادہ کیا ہے اور اپنے آپ کو انہی سے وابستہ ظاہر کیا ہے۔"

چنانچہ نظام الملک طوسی کا قاتل جو دراصل فرقہ اسمٰعیلیہ سے تعلق رکھتا تھا، صوفیہ کے لباس میں ظاہر ہوا تھا (اس نے صوفی بن کر طوسی کا قرب حاصل کیا اور موقع پاکر اسے قتل کر دیا) اسی طرح باطنیہ فرقے کے دو آدمی، صوفی بن کر شاہ عباس صفوی کے پاس آئے تھے اور اسے مذہب امامیہ سے منحرف کرنے کی کوشش کی تھی۔

فرقہ اسمٰعیلیہ میں وہ طائفہ جو حشاشین کے نام سے بدنام ہے اس کے افراد بھی ہمیشہ صوفیوں ہی کے لباس میں ظاہر ہوتے تھے اور جب وہ صوفیہ کے عقائد بیان کرتے تھے تو اپنے عقائد بھی شامل کر دیتے تھے اور اس طرح عقیدۂ شخصی، عقیدۂ صوفیہ بن جاتا تھا چنانچہ متاخرین ان کے ایسے اقوال کی تاویل کرتے تھے۔ مثلاً شیخ عزیز نسفی اس بات کا قائل ہے کہ مردِ عارف کی روح اس کی وفات کے بعد کاملین کے بدن میں داخل ہو جاتی ہے۔ اگرچہ یہ عقیدہ بالکل عقیدۂ تناسخ کا ہم معنی ہے مگر ایک صوفی سے منسوب ہے اس لئے ملّا ہادی سبزواری نے اپنی تصنیف اسرار الحکم جلد اوّل صفحہ ۲۴۵ میں شیخ مذکور کے اس قول کی تاویل کی ہے اور اس کے غیر اسلامی عقیدے کا نام "تناسخ مجازی" رکھ کر شیخ مذکور کی برأت کی کوشش کی ہے حالانکہ یہ عقیدہ صریحاً "تناسخ ارواح" کا عقیدہ ہے جو کفر ہے

(ماخوذ و مقتبس از مقدمہ گلشن راز نوشتہ کیوان سمیعی شیعی مطبوعہ چاپ خانہ حیدری از انتشارات کتابخانۂ محمودی طہران ۱۳۳۷ھ شمسی صفحہ ۳۸ و ۳۹)

یہ ایک شیعہ عالم کی عبارت ہے جس پر کسی تبصرے یا حاشیے کی ضرورت نہیں ہے اور میرے مدعا کو بخوبی ثابت کرتی ہے۔

اس کے بعد میں علامہ ابن خلدون کی شہادت پیش کرتا ہوں۔ وہ اپنی تاریخ کے شہرۂ آفاق مقدمے میں یوں رقمطراز ہیں:۔

"صوفیائے متقدمین کے روابط ان غلاۃ اسمٰعیلی شیعوں سے استوار ہو گئے جو حلول اور الوہیتِ ائمہ کے قائل تھے۔ ابتدائی دور کے اسمٰعیلیہ ان عقائد سے آگاہ نہ تھے۔ بہر حال اسمٰعیلیہ اور صوفیہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے عقائد سے متاثر ہوئے اور ان کے نظریات وعقائد آپس میں مدغم ہو گئے چنانچہ صوفیہ کے یہاں بھی "قطب" کا نظریہ پیدا ہو گیا جس کا مطلب ہے سید العارفین یا تمام عُرفاء کا سرتاج۔ صوفیہ نے یہ فرض کر لیا (بلا دلیل) کہ کوئی صوفی معرفت کے لحاظ سے قطب کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا جب تک خدا اُس قطب کو وفات نہ دے۔ ہاں اس کی وفات کے بعد خدا اس کا مقام، اس کے جانشین کو عطا کر دیتا ہے (یہ عقیدہ اسمٰعیلیہ کے عقیدۂ امامت سے مشابہ ہے کہ جب ایک امام مرتا ہے تو اس کی روح اس کے جانشین میں منتقل ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے اسے الوہیت اور معصومیت کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے امام کی زندگی میں دوسرا شخص امامت کے مرتبے پر فائز نہیں ہو سکتا۔)

چنانچہ مشہور فلسفی ابن سینا نے (جو باطنی تھا) اپنی تصنیف "کتاب الاشارات" میں اس نظریے کی طرف اشارہ کیا ہے وہ لکھتا ہے۔

یہ صداقتِ عظمٰی (حقانیت کبریٰ) اس قدر رفیع الشان ہے کہ ہر طالب کو حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ شخص اس مرتبے پر فائز ہو سکتا ہے۔"

(تفصیل کے لئے دیکھو "کتاب الاشارات والتنبیہات" النمط التاسع)

واضح ہو کہ اقطاب کے تسلسل کا نظریہ نہ شریعت سے ثابت ہو سکتا ہے نہ دلائل عقلیہ سے۔ یہ محض ایک استعارہ ہے اور غلاۃ شیعہ کے نظریۂ امامت سے مطابقت رکھتا ہے۔ جس کی رو سے ایک امام کی وفات کے بعد اس کا فرزند امامت کو بھی ترکے یا ورثے میں حاصل کر لیتا ہے (جس طرح جائیداد منتقل ہوتی ہے امامت بھی منتقل ہو جاتی ہے) بلاشبہ صوفیوں نے یہ تصور غلاۃ شیعہ سے حاصل کیا ہے۔

علاوہ ازیں جس طرح باطنیہ امام کے بعد نقباء کا وجود تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح صوفیہ، قطب کے بعد اولیاء کا وجود تسلیم کرتے ہیں جن کا مرتبہ قطب کے بعد ہے چنانچہ شیعہ کے ساتھ ان کے عقائد کی مماثلت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ جب انہوں نے خرقہ پوشی کے لئے مشائخ کا سلسلہ مرتب کیا تو اسے حضرت علیؓ تک پہنچا دیا۔ یقیناً یہ بات انہوں نے شیعوں کے زیر اثر آ کر کی، کیونکہ جو صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ قرب رکھتے تھے۔ ان میں حضرت علیؓ کو کسی مخصوص عمل کی بناء پر یا لباس کی بناء پر کوئی درجہ اختصاص حاصل نہیں تھا۔

بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ تمام صحابہؓ میں سب سے زیادہ متقی اور زاہد تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی کسی خاص مذہبی عمل کی وجہ سے دوسروں سے ممتیز نہیں تھا حقیقت یہ ہے کہ جس قدر صحابہؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کا شرف حاصل تھا وہ سب کے سب مذہب، پرہیزگاری زہد و ورع اور مجاہدانہ زندگی کا اعلیٰ نمونہ تھے اس بات کا ثبوت ان کی زندگی اور تاریخ دونوں سے مل سکتا ہے۔ بلاشبہ اس قسم کے قصوں سے شیعہ مسلمانوں میں یہ خیال پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو بعض مخصوص صفات کی وجہ سے دیگر صحابہؓ کے مقابلے میں امتیازی شان حاصل ہے۔"

(مقتبس از مقدمہ ابن خلدون باب ششم فصل نمبر دہم انگریزی ترجمہ جلد سوم صد ۹۲ تا ۹۳ مطبوعہ نیویارک ۱۹۵۸ء)

اپنے دعوے کی مزید تائید کے لئے میں تصوّف کی کتابوں سے وہ غیر مستند اور غیر معتبر اور باطل روایات ذیل میں درج کرتا ہوں جو دشمنانِ اسلام نے ان کتابوں میں اپنی طرف سے وضع کر کے داخل کر دی ہیں اور ان تحریفات کی مثالیں بھی درج کروں گا۔ جو انہوں نے کتب تصوّف میں کی ہیں۔ اس کے بعد ان غیر اسلامی عقائد کی نشاندہی کروں گا جو دین سے ناواقف مسلمان صوفیوں میں مقبول ہو گئے ہیں:۔

اکابر اہل سُنت کی تصانیف میں تدلیس وتدسیس،

پروفیسر سعید نفیسی کی رائے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے دعوے کو ثابت کرنے سے پہلے مشہور ایرانی محقق اور فاضل پروفیسر سعید نفیسی کی تصنیف "جستجو در احوال و آثار فرید الدین عطار نیشاپوری" سے چند اقتباسات ہدیۂ ناظرین کروں، موصوف لکھتے ہیں :۔

"جب اسلام میں مختلف فرقے پیدا ہوئے تو آغاز ہی سے انہیں ایران میں اپنے پیرو کثیر تعداد میں مل گئے۔ دراصل اسلامی فرقوں کی تاسیس کا سہرا ایرانیوں کے سر ہے۔ اس کی دلیل بالکل واضح اور روشن ہے۔ ایرانی باشندے عربوں کے تسلط سے پہلے بارہ سو سال تک دنیا میں بڑے جاہ وجلال کے ساتھ زندگی بسر کرتے چلے آرہے تھے۔ اس لئے انہیں اپنے اوپر خلفائے دمشق یا خلفائے بغداد کی حکمرانی کسی طرح پسند یا گوارا نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ہر ایرانی ایک اصول اپنی طرف سے وضع کرتا تھا اور ایک گروہ اس کا ہمنوا بن جاتا تھا اور یہ سلسلہ نویں صدی تک جاری رہا۔

پانچویں صدی تک بیشتر اہل ایران حنفی تھے یا شافعی تھے۔ طبرستان میں زیدیہ فرقہ اکثریت میں تھا۔ سبزوار کے علاقے میں شیعہ جعفریہ کا غلبہ تھا۔ قزوین میں اسمٰعیلیہ کا زور تھا۔ کرامیہ فرقہ جنوبی خراسان میں معروف تھا۔ صوفیہ اپنے آپ کو ان فرقوں سے مافوق سمجھتے تھے اور کسی کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔ مشہور صوفی عبداللہ انصاری حنبلی تھے۔ ان کے علاوہ چھٹی صدی تک تمام صوفیہ حنفی تھے۔"

مؤلفِ "مجالس المومنین" نے جو شیعہ تراشی میں مشہور ہے، عطارؒ کو شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور دلیل میں وہ اشعار پیش کئے ہیں جو انہوں

نے علی ابن طالب کی منقبت میں لکھے ہیں. حالانکہ انہوں نے "ہر چہار یار" کی مدح کی ہے۔ اور دونوں گروہوں کے تعصب کا رد کیا ہے. طہران میں عطار کی بعض مثنویوں میں سے پہلے تین خلفاء کے مناقب کو اسی لئے حذف کر دیا گیا ہے. ایرانی شیعہ دورۂ صفویہ سے پہلے تینوں خلفاء کی شان میں بدزبانی نہیں کرتے تھے۔

عطار نے ہر مثنوی میں چار یار کی مدح کی ہے۔ اگرچہ موجودہ نسخوں میں مدحِ خلفا کو حذف کر دیا گیا ہے. مگر قلمی نسخوں میں مدح موجود ہے. مثلاً اسرار نامہ میں مرقوم ہے

سپہرِ صدق را خورشید انور — امیر المومنین صدیق اکبرؓ

شریعت را نخستین قرۃ العین — رفیقِ مصطفٰے و ثانی اثنین

قلمی نسخے میں ایک شعر یوں ہے۔

سوار دیں پسر عم پیمبر — شجاع شرع و صاحب حوضِ کوثر

لیکن طہران کے مطبوعہ نسخے میں اسے اس طرح تبدیل کیا گیا ہے؛

خصوص آں وارثِ دین پیمبر — چراغ شرع و صاحب حوضِ کوثر

مصیبت نامہ عطار کے قلمی نسخے میں یہ اشعار موجود ہیں۔

تا نبی صدیق را محرم گرفت — صبح صادق جملہ عالم گرفت

مردہ ای کہ جی رود بر روئے خاک — ہست از قول نبی صدیق پاک

مدح صدیقی میں ۲۷ اشعار ہیں، مدح فاروقی میں ۲۲ اشعار ہیں۔ مدح عثمانی میں ۲۷ اشعار ہیں، لیکن اسی مصیبت نامہ کا جو ایڈیشن ۱۳۵۴ھ میں طہران سے شائع ہوا ہے، اس میں ان کو حذف کر دیا گیا ہے۔

حالانکہ اس میں شک نہیں ہے کہ عطار سلسلہ کبیرویہ سے متعلق تھے اور شیخ نجم الدین کبریٰ کے معتقد تھے (اہل سنت میں سے تھے نہ کہ شیعہ)

عطار سے ۶۶ کتابیں منسوب ہیں۔ لیکن ان میں سے صرف دس کتابیں ان کی مصنفہ ہیں:۔

خسرو نامہ، مختار نامہ، اسرار نامہ، مصیبت نامہ، دیوان، جواہر نامہ، شرح

القلب، الٰہی نامہ، پند نامہ اور منطق الطیر۔

جو کتابیں ان سے منسوب ہیں ان میں سے ایک کتاب کا نام جواہر الذات ہے یہ کتاب ۱۳۵۵ھ میں طہران سے شائع ہوئی تھی۔ لیکن اس کتاب کے مصنّف نے اکثر مقامات پر "اظہار تشیع" کیا ہے اس لئے کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ یہ کتاب عطار کی تصنیف ہو۔ اسی طرح حلاج نامہ بھی عطار کی تصنیف نہیں ہے تیسری کتاب جو عطار سے منسوب ہے۔ اس کا نام سی فصل ہے۔ "گویندۂ این کتاب ہم شیعہ بودہ" اس کتاب کے اس شعر سے ثابت ہے کہ اس کا مصنّف وہی ہے جس نے جواہر الذات لکھی ہے۔ وہ شعر یہ ہے۔

بجوہر ذات گفتستم این معانی — تو می باید کہ این معنی بدانی

لسان الغیب بھی ان کی تصنیف نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ اشعار مندرج ہیں:۔

شیعۂ پاک است عطار اے پسر — جنس این شیعہ بجان خود بخر

ما ز فاروق[1] آنتجا بر کندہ ایم — پے ز نورین[2] شما ببریدہ ایم

پروفیسر نفیسی نے آخر میں یہ فیصلہ صادر کیا ہے۔

"در ہر صورت ہیچ تردیدے نیست کہ مردے بودہ است جعّال، در قرن نہم، کہ خود را فریدالدین عطار می خواند و در مشہد می زیست و چندین کتب سست و بے مغز مانند اشتر نامہ، بلبل نامہ، جواہر الذات، حلاج نامہ، خیاط نامہ، کنز الاسرار، لسان الغیب، مظہر العجائب، ساختہ کہ ہیچ وجہ از فریدالدین عطار نیشاپوری نیست، صفحہ ۹۶"

جو نسخہ جواہر الذات کا میری نظر سے گذرا ہے اس میں سے صرف دو شعر ذیل میں درج کرتا ہوں جن سے پوری کتاب کا اندازہ ہو جائے گا اور یہ بات بھی واضح ہو جائیگی کہ یہ شعر حضرت شیخ فریدالدین عطار نیشاپوری آپنے قلم سے ہرگز نہیں لکھ سکتے تھے:۔

---

[1] یعنی حضرت فاروق اعظمؓ — [2] یعنی حضرت عثمان ذوالنورینؓ

محمد را شناس ایں جا خدا تو — دگر نہ او فتی اندر بلا تو
علیؓ با مصطفےٰ ہر دو خدا یند — کہ دم دم راز برما می کشایند

ان شعروں کے مضمون سے صاف ظاہر ہے کہ ان کا کہنے والا عبداللہ ابن سبا کا مخلص پیرو تھا اور طائفہ ضالہ باطنیہ یا قرامطہ سے تعلق رکھتا تھا

میں نے پروفیسر سعید نفیسی کی محققانہ تصنیف سے یہ اقتباسات اس لئے درج کئے ہیں کہ ناظرین پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ :۔

۱۔ قرامطہ نے صوفی بن کر اپنے عقائد باطلہ کو اسلامی تصوّف کے ساتھ اس طرح مخلط کردیا کہ عوام کے لئے امتیاز بین الحق والباطل ناممکن ہوگیا۔

۲۔ تصوّف کے نام سے عامۃ المسلمین میں اپنے عقائد شائع کر دیئے اور شیخ طریقت بن کر ان عقائد کو دن رات اپنی مجلسوں میں بیان کر کے جاہل اور سادہ لوح اہلِ سنت کے دل و دماغ میں اس طرح پیوست کردیا کہ وہ ان کی جذباتی اور اخلاقی اور روحانی زندگی کا جزو لاینفک بن کر رہ گئے چنانچہ وہ ہر مصیبت کے وقت اللہ کے بجائے کسی غیر اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔ ان کی زبان پر بے ساختہ کسی اپنے ہی جیسے عاجز اور فانی انسان کا نام آجاتا ہے۔ حالانکہ تصوّف نام ہی ہے نقش غیر کو لوح دل سے مٹا دینے کا۔

کجا غیر و کو غیر و کو نقش غیر — سوی اللہ واللہ مافی الوجود
کُلّ مافی الکون وہم او خیال — اَو عکوس فی المرایا او ظلال

۳۔ اسلام کے ان دشمنوں نے تصوّف کی مشہور کتابوں میں اپنے عقائد شامل کر دیئے اور جہاں موقع ملا اسلامی عقائد کو حذف کر دیا۔

۴۔ مشہور صوفیوں کے نام کا ناجائز استعمال کیا۔ یعنی کتابیں خود لکھیں مگر انہیں اہلِ سنت کے مستند مشائخ روحانی سے منسوب کر دیا۔

۵۔ تقیہ کی بدولت عوام اور خواص دونوں کو مدتوں تک مغالطے میں رکھا۔

کامیابی اور غیر معمولی کامیابی اس لئے ہوئی کہ مرید مسلوب الارادہ ہوتا ہے۔ یہاں تک تو ٹھیک ہے کہ مرید اللہ تک پہنچنے کے لئے وہی طریق اختیار کرے جو اس

کا شیخ اسے بتائے جس طرح کسی دنیاوی فن مثلاً موسیقی، مصوری، خطاطی، سنگ تراشی وغیرہ میں کمال حاصل کرنے کے لیے شاگرد وہی طریق کار اختیار کرتا ہے جو اس کا استاد اسے بتاتا ہے لیکن تصوف کی دنیا میں رفتہ رفتہ ایک غلطی عام ہوگئی جس کی وجہ سے تصوف بھی بدنام ہوگیا اور صوفیوں میں شخصیت پرستی بھی راہ پا گئی وہ غلطی یہ تھی کہ بعض جاہل مریدوں نے یہ سمجھ لیا کہ اس کی راہ میں مرید کو مسلوب الارادہ ہوجانے کے ساتھ ساتھ مسلوب العقل بھی ہوجانا چاہیئے۔ اسی عقل و فہم سے بیگانہ ہوجانے کا یہ نتیجہ نکلا کہ تصوف کی کتابوں میں اور مشائخ کے ملفوظات میں جو خلافِ شرع اور خلافِ عقل باتیں دشمنان اسلام کی تدسیس و تحریف و تدلیس سے داخل ہوگئی ہیں کوئی شخص نہ ان کی تغلیط و تکذیب کی جرأت کرتا ہے نہ انہیں ان کتابوں سے خارج کرنے کا خیال دل میں لاسکتا ہے۔ یہ ہے وہ تقلید کور یا اندھی عقیدت جس نے تصوف کو بھی بدنام کیا اور مسلمانوں کی عقلی زندگی کو بھی مفلوج کردیا۔ ع

آہ محکومی و تقلید و زوال تحقیق

گذشتہ بیس سال میں تصوف کی جس قدر کتابیں نظر سے گذریں۔ اکثر و بیشتر کتابوں میں ایسی روایات موجود پائیں جو نہ نقلاً صحیح ہیں نہ عقلاً۔ بلکہ ان کی لغویت اظہر من الشمس ہے چنانچہ آئندہ اوراق میں اس کی متعدد مثالیں درج کی جائیں گی اس موقع پر میں اس حقیقت کے اظہار سے باز نہیں رہ سکتا کہ دشمنان اسلام نے کتب تصوف کے علاوہ مسلمانوں کے مذہبی ادب کے ہر شعبے میں اپنے عقائد شامل کردیئے ہیں اور اسلام کی تاریخ کو تو خاص طور سے تدسیس و تحریف و تدلیس کا ہدف بنایا ہے[1] اس تمہید کے بعد اب میں تصوف کی مختلف کتابوں سے اپنے

---

[1] سیرۃ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مؤلفہ سید سلیمان ندوی مرحوم صـ ۱۴۳ سے اس کی ایک مثال ذیل میں درج کرتا ہوں:۔

"بعض شیعی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کچھ سپاہیوں کے ساتھ ایک سپید خچر پر

(باقی اگلے صفحہ پر)

دعوے کے ثبوت میں شواہد پیش کرتا ہوں:۔

(۱) حدیقۃ الحقیقۃ۔ مصنفہ حکیم سنائی غزنوی | فارسی نظم میں تصوف پر قدیم ترین کتاب ہے جو میری نظر سے گذری ہے اس کے دو نسخے میرے پیش نظر ہیں، ایک نسخہ مطبوعہ طہران ہے جس پر مدرس رضوی استاد دانش گاہ طہران نے مقدمہ بھی لکھا ہے۔ دوسرا نسخہ لکھنو کا چھپا ہوا ہے۔ ذیل میں مقدمہ مذکورہ سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں:۔

"سنائی پہلا شاعر ہے جس نے تصوّف کے مضامین کو فارسی میں نظم کیا (ص ر ج) چونکہ اس نے اپنے عقائد کی تفصیل میں، دوستی آل علیؓ میں غلو کے علاوہ آل ابو سفیان کے ساتھ دشمنی کا اظہار بھی کیا تھا۔ اس لئے علماء نے اس کی تکفیر کی اور اس کی کتاب کو کتاب گمراہی قرار دیا اور اس حد تک مخالفت کی کہ بہرام شاہ سلطان غزنوی نے اسے قید کر دیا۔ (ص ل) زمانہ تصنیف (چھٹی صدی ہجری) سے اب تک اس کتاب میں "تحریفات و تصرفات فراواں" ہو چکے ہے (ص ب) مختلف قلمی نسخوں میں اشعار کی تعداد مختلف ہے بعض نسخوں میں پانچ ہزار ابیات ہیں بعض میں چھ ہزار اور بعض میں دس ہزار ہیں (ص ب) اس کتاب کے دو نسخے ایسے نہیں ملتے جن میں موافقت ہو اور یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳ سے آگے) سوار ہو کر امام حسنؓ کے جنازے کو روکنے کے لئے نکلیں۔ الخ یہ روایت تاریخ طبری کے ایک پرانے نسخے (فارسی ترجمے میں) جو ہندوستان میں چھپ بھی گیا ہے نظر سے گذری ہے لیکن جب اصل متن عربی مطبوعہ یورپ کی طرف رجوع کیا تو جلد ہفتم کا ایک ایک لفظ پڑھنے کے بعد بھی یہ واقعہ نہ ملا۔ طبری کے اس فارسی ترجمے میں درحقیقت بہت سے حذف و اضافے ہیں"

میں بھی اسلامی ادب کا پچاس سال سے زائد عرصے تک مطالعہ کرنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ قرآن حکیم کو چھوڑ کر دشمنان اسلام نے ہر علم و فن کی کتابوں میں خصوصاً تاریخ، حدیث اور تصوّف کی کتابوں میں حذف و اضافہ کا مقدس فریضہ انجام دیا ہے اور اس کا خاص مقصد صحابہ کرامؓ کی تنقیص و توہین و تحقیر ہے۔ اعوذ باللہ من ہذہ الخرافات۔

اختلاف کبھی اس حد تک نظر آتا ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے (صلط) قلمی نسخہ موسومہ ی میں مناقب امیرالمومنین علیؓ ابن ابی طالب و اولادہ الحسنؓ والحسینؓ کا اضافہ کیا گیا ہے (ص ۵) قلمی نسخہ موسومہ م " اور بعض دوسرے نسخوں میں فصل "حرب جمل" موجود نہیں ہے۔" ص۲۵۵

مقدمہ نگار مذکور نے حواشی میں صدہا اختلافات کی نشاندہی کی ہے جنہیں بخوف طوالت نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ ایضاح مقصد کے لئے یہی دو حوالے کافی ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی سبائی نے مناقب علیؓ و اولادہ اور حرب جمل کا اپنی طرف سے اضافہ کر کے سنائیؒ کی شخصیت اور اس کی کتاب دونوں کو محل شک باعث تقبیح اور موجب لومتہ لائم بنا دیا یعنی ایک تیر سے تین شکار کئے۔ اس تدسیس و تحریف و حذف و اضافہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ پوری کتاب پایۂ اعتبار سے ساقط ہو گئی۔ اب ہمارے پاس کوئی آلہ یا مقیاس یا معیار ایسا نہیں ہے جس کی بنا پر ہم قطعیت کے ساتھ کوئی حکم لگا سکیں۔ اس کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:۔

جو نسخہ نولکشور پریس لکھنؤ سے ۱۸۸۷ء میں شائع ہوا تھا، اس کے ساتھ خواجہ عبداللطیف العباسیؒ کے حواشی بھی ہیں۔ خواجہ صاحب مرحوم اپنے دیباچے میں لکھتے ہیں:۔

"چونکہ ہندوستان میں" دو نسخہ باہم موافق یافت نمی شد" اس لئے نواب محمد عزیز کوکلتاش الملقب بخان اعظم نے ۱۰۰۰ء میں ایک شخص کو غزنی بھیجا کہ وہاں سے صحیح نقل حاصل کرے۔ میں نے یہ نسخہ امیر عبدالرزاق کے پاس اپنے وطن آگرہ میں دیکھا۔ ۱۰۳۷ھ میں اس پر حواشی لکھے۔" (ملخص از دیباچہ)

خواجہ صاحب مرحوم قبل ازیں مثنوی مولانا روم کے مشکل اشعار کی شرح کر کے علمی دنیا میں شہرت حاصل کر چکے تھے۔ اس شرح کا نام لطائف معنوی ہے اور اس کی قدر و قیمت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ مشہور معاندِ اسلام پروفیسر آر۔ اے نکلسن نے اپنے ترجمہ اور حواشی میں اس شرح سے استفادۂ کلی کیا ہے۔ حدیقہ پر جو حواشی خواجہ صاحب مرحوم نے لکھے ہیں وہ میری رائے میں حرفِ آخر کا حکم رکھتے ہیں۔ یہی

وجہ ہے کہ ان کے بعد کسی کو اس کتاب پر حواشی لکھنے کی ہمت نہ ہو سکی[1]

آمدم برسر مطلب: سنائی نے اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا کے بعد حضرات صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ اور عثمان غنیؓ کے مناقب لکھے ہیں ان سے یہ ثابت ہوا کہ وہ اہل سنت میں سے تھا لیکن جب وہ حضرت علیؓ، حسنؓ اور حسینؓ کے مناقب لکھتا ہے تو پیروان ابن سبا کا لب ولہجہ اور انداز بیان اختیار کر لیتا ہے۔ نیز ان تمام روایات کو باب وتاب بیان کرتا ہے جو قطعاً وضعی ہیں اور تمام محدثین نے انہیں ردّ کر دیا ہے۔ میں بخوف طوالت وہ تمام اشعار تو نقل نہیں کر سکتا۔ مگر صفحات کا حوالہ ذیل میں درج کئے دیتا ہوں۔

ص ۲۷۱، ص ۲۷۲ تا ص ۲۷۹ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۳۰۴ء

لیکن بطور نمونہ چند اشعار پیش کرتا ہوں۔

عنوان حرب جمل کے تحت، نولکشوری اور ایرانی دونوں نسخوں میں یہ اشعار مندرج ہیں:

در جمل چوں معاویہؓ بگریخت	خون ناحق بسے بخیرہ بریخت
شد ہزیمت بجانب بغداد	گشتہ از فعل زشت خود ناشاد
سر احرار حیدرؓ کرّار	سر فراز مہاجر و انصار
چوں مصاف معاویہؓ بشکست	یافت بر لشکر معاویہؓ دست
جمل آں ستیزہ را پے کرد	برگ و ساز معاویہؓ طے کرد
ہودج زن بخاک تیرہ فتاد	وز خجالت نقاب رخ نکشاد

---

[1] میں نے یہ چند سطور قصداً لکھی ہیں۔ تاکہ خواجہ صاحب مرحوم کا نام نامی تاریخ تصوف کے اوراق میں محفوظ ہو جائے ورنہ ظاہر ہے کہ جس طرح میرے زمانہ طفولیت میں عربی ختم ہو رہی تھی۔ اسی طرح ستر سال کے بعد فارسی بھی آخری ہچکیاں لے رہی ہے وہ زمانہ بہت قریب ہے جب اس ملک کے دانشور فارسی ادب سے بھی اسی طرح بے گانہ ہو جائیں گے جس طرح عربی ادب سے ناآشنا ہو چکے ہیں۔

گفت بدکردہ ام امانم دہ	در ترحّم کنوں زمانم دہ
خواند حیدر برادرش رازود	جملہ احوال ہا ورا بنمود !
رفت وقتے محمدِ بوبکرؓ	آں ہمہ صدق وفارغ ازہمہ مکر
پس برآمیخت تیغ تا بزند	گفت حیدر مکن، کس ایں نکند
عفو کن تا بسوئے خانہ رود	بعد ازیں کار ہائے بد نکند
بسوئے مکہ زود بفرستاد	در تواضع محل او نہ نہاد
با ہزاراں خجالت وتشویر	رفت زی مکہ جفتِ گرم وزحیر
عاقبت ہم بدست آں باغی	شد شہید وبکشتش آں طاغی
آنکہ با جُفت مُصطفےٰ زیناں	بدکند، مردرا ببرد مخواں
چوں ازیں گشت فارغ آں بدمرد	قصدِ جان امیر حیدر کرد
پسر ھند اگر بدو بد کرد	آں بدی داں کہ جملہ باخود کرد

میں نے یہ اشعار کلیجے پر پتھر کی سل رکھ کر نقل کئے ہیں۔ انتہائی مجبوری میں کیونکہ اگر میں ان ناپاک اشعار کو نقل نہ کرتا تو اپنا دعویٰ ثابت نہیں کر سکتا تھا کہ پیروان عبداللہ ابن سبا نے جن کی اسلام دشمنی کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے ۳۱۷ھ میں خانہ کعبہ سے حجرِ اسود اکھیڑ کر اپنے پیشوا کے مکان کی دہلیز میں دفن کر دیا تھا تاکہ ہر آنے اور جانے والا اُسے پامال کرتا رہے۔ تصوّف کی کتابوں میں حذف و اضافہ کا مقدس فریضہ انجام دے کر لاکھوں مسلمانوں کی گمراہی کا سامان مہیا کر دیا ہے اور ان کی داخل کردہ روایات مرورِ ایام سے مسلمان صوفیوں کے دماغوں میں اس طرح پیوست ہو چکی ہیں کہ ان کا جدا کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمان مسلمانوں کی مجلس میں ان جھوٹی روایات کو جھوٹا کہہ دے تو تمام سُنّی مسلمان، اس کو سنگسار کر دیں گے۔

اب ناظرین ان اشعار آبدار کو پڑھ کر خود فیصلہ کر لیں کہ کیا کوئی صحیح العقیدہ سُنّی مسلمان اس قسم کے ناپاک اشعار لکھ سکتا ہے؟ لاریب ان اشعار کا کہنے والا دشمن اسلام

ی نہیں ہے بلکہ جاہل بھی ہے اگر یہ اشعار سنائی ہی کے ہیں تو اس کی اسلام دشمنی
ر جہالت دونوں باتیں اظہر من الشمس ہیں اور اگر اس کے نہیں ہیں تو میرا دعویٰ
بت ہو گیا کہ یہ اشعار کسی دشمنِ دین سبائی نے اپنی طرف سے کتاب میں داخل کر
یئے ہیں خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ سنائی کی جلالت شان کی بدولت آٹھ سو سال میں
تنے لاکھ مسلمانوں کا ایمان تباہ ہوا ہوگا۔ اگر سنائی کو خباثت اور سبائیت سے بری کرنے
کے لئے ان اشعار کو الحاقی تسلیم کر لیا جائے تو بھی دشمنان اسلام تو اپنے مقصد میں
امیاب ہو گئے اور چونکہ ان اشعار کو متنِ کتاب سے حذف کر دینے کا کوئی امکان
ہیں ہے۔ اس لئے آبِ زم زم میں یہ ناپاک قطرات بدستور شامل رہیں گے۔

خواجہ عبد اللطیف عباسی شارح حدیقہ نے ان اشعار پر یہ حاشیہ لکھا ہے:۔

"پس بحکم عقل ونقل کہ کتب معتبرہ سیر مثل روضۃ الاحباب وغیرہا بآں ناطق
است ثابت ومحقق شد کہ ایں داستان ومایتعلق بہا دریں کتاب الحاقی است۔
واز حکیم نیست واللہ اعلم بالصواب" (حاشیہ بر صفحہ ۲۹)

یہ حقیقت کہ ان اشعار کا مصنف تاریخ سے نا آشنا ہے۔ یعنی جاہل ہے، ان اشعار
سے عیاں ہے۔

(۱) گر در جمل چوں معاویہؓ بگریخت۔ تاریخ اسلام کا ہر واقف جانتا ہے کہ جنگ جمل
میں حضرت معاویہؓ قطعاً شریک نہیں ہوئے تھے۔

(۲) گر بس بر آہیخت تیغ نا بزند۔ کسی تاریخ میں یہ بات مذکور نہیں ہے کہ محمد ابن
ابی بکر نے اپنی خواہر محترمہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا
(۳) گر شد شہید و بکشتش آں طاغی۔ کسی تاریخ میں یہ بات مرقوم نہیں ہے کہ حضرت
امیر معاویہؓ نے ام المومنینؓ کو شہید کیا تھا۔

ان صریح کذب بیانیوں کے علاوہ ان اشعار میں ام المومنینؓ اور حضرت معاویہؓ کی
شان اقدس میں جو ژاژ خائی اور ہرزہ سرائی کی گئی ہے اس سے صاف طور پر
ثابت ہے کہ اس کا مرتکب اللہ، رسول اللہ اور دین اسلام سے کوئی سروکار نہیں رکھتا

سیّدۃ النساء حضرت عائشہ صدیقہ "بفحوائے کلام اللہ، سب مسلمانوں کی ماں ہیں۔ اپنی ماں کی توہین کرنے والا اسلام تو در کنار انسانیت ہی سے خارج ہو جاتا ہے۔

آخر میں فیصلہ قارئین پر چھوڑتا ہوں ان کا جی چاہے منانی کو دائرہ انسانیت سے خارج کر دیں، یا پھر ان ملفوظات کو کسی دشمن اسلام کی خباثت قلبی کا مظاہرہ یقین کر کے الحاقی قرار دیں، میں بذات خود ان اشعار کو الحاقی یقین کرتا ہوں۔

فوائد الفوائد ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء

(۲) منہاج سراج نے اپنی مشہور تاریخ موسومہ طبقات ناصری میں صہ ۹۸ پر سلطانہ رضیہ بنت التمش کے عہد حکومت کے واقعات میں لکھا ہے:۔

"کہ ۶۳۴ھ میں نور ترک قرمطی نے ملتان سے نقل مکانی کر کے دہلی میں ایک خانقاہ قائم کی۔ اپنے آپ کو صوفی ظاہر کر کے بہت سے مسلمانوں کو اپنا معتقد بنا لیا۔ رفتہ رفتہ گجرات اور سندھ کے بہت سے قرمطی اس خانقاہ میں جمع ہو گئے۔ نور ترک نے اپنی خانقاہ میں وعظ و تلقین و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ وہ اپنی تقریروں میں سُنی علماء کو ناصبی کہتا تھا اور عوام کو ابوحنیفہ کے مذہب سے متنفر کرتا تھا۔"

جب عوام پر اس کا مذہبی اقتدار قائم ہو گیا تو ۶ رجب ۶۳۴ھ کو جمعے کے دن ان قرامطہ نے جامع مسجد میں داخل ہو کر نہتے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ مگر انجام کار شاہی فوج نے ان کو مغلوب کر کے تہ تیغ کر دیا۔

قاضی منہاج کی یہ شہادت ہم عصرانہ ہے اس لئے یقینی طور پر صحیح ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ نور ترک ایک قرمطی داعی تھا لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی تصنیف اخبار الاخیار میں جو اس واقعے کے چار سو برس بعد لکھی گئی، یہ لکھا ہے:۔

"اگرچہ قاضی منہاج نے طبقات ناصری میں اس شخص کا ذکر اس انداز سے کیا ہے کہ اس سے تشنیع مذہب لازم آتی ہے مگر فوائد الفوائد میں یہ مذکور ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ اگرچہ بعض علماء نے اس کی مذمت کی ہے مگر وہ "از آب آسمان پاکیزہ تر بود۔"

فوائد الفوائد کے اس ایک جملے سے نور ترک قرمطی زمانہ مابعد کے صوفیوں کی نظر میں

آسمان کے پانی سے بھی پاکیزہ تر بن گیا کیونکہ کسی صوفی میں یہ اخلاقی جرأت نہیں ہے کہ وہ یہ کہہ سکے کہ یہ فقرہ الحاقی ہے اور کسی قرمطی نے اپنی طرف سے ملفوظاتِ شیخ میں اضافہ کر کے، اسے سلطان المشائخ سے منسوب کر دیا ہے حالانکہ حقیقت یہی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ ایک معتبر معاصرانہ شہادت بہر حال لائق تسلیم ہے۔

ملفوظات بہر حال ملفوظات ہی ہیں انہیں استناد کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ قاضی منہاج صاف لکھتے ہیں کہ وہ قرمطی تھا اور اس کی خانقاہ میں بہت سے قرمطی سکونت پذیر تھے اس لئے ثابت ہوا کہ وہ آب آسماں سے پاکیزہ تر نہیں ہے۔ لہذا یہ جملہ سلطان المشائخ کا نہیں ہے۔ کسی نے ان سے منسوب کر دیا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ملفوظات کے مجموعے از اول تا آخر لائق اعتماد ہیں۔ ہرگز صحیح نہیں ہے۔ میں اس جگہ صرف ایک مثال پہ اکتفا کرتا ہوں۔ مزید مثالیں اپنے موقعہ پر درج کی جائیں گی۔

سلطان المشائخ ؒ نے اپنے مرشد شیخ فریدالدین گنج شکر اجودھنی کے ملفوظات کو راحۃ القلوب کے نام سے مرتب کیا تھا میرے پیش نظر اس کا جو نسخہ ہے وہ ۱۳۰۹ھ میں طبع ہوا تھا اس کے صفحہ ۸۵ پر یہ "ملفوظ" درج ہے جس کا اردو ترجمہ میں بقائمی ہوش و حواس ذیل میں نقل کرتا ہوں۔

> "ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم با جمیع صحابہ کبار بیٹھے ہوئے تھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، یزید پلید کو بیٹے کاندھے پر بٹھائے سامنے سے گذرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے اور کہا سبحان اللہ، ایک دوزخی ایک بہشتی (جنتی) کے کاندھے پر سوار ہو کر جا رہا ہے۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن کر کہا۔ یا رسولؐ اللہ، یہ تو معاویہ کا بیٹا ہے، دوزخی از کجا است ؟ آنحضرتؐ نے فرمایا یا علی یہ یزید بدبخت ہے۔ جو حسنؓ اور حسینؓ اور میری تمام آل کو شہید کرے گا۔ یہ سن کر علیؓ کھڑے ہو گئے۔ تلوار نیام سے نکالی کہ ایشاں را بکشد مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مانع ہوتے کہ اے علی الیامت کر کہ اللہ کی تقدیر یہی فیصلہ کر چکی ہے۔ یہ سن کر علیؓ رونے لگے

اور پوچھا یا رسول اللہ! آپ اس وقت ہمارے سر پر (زندہ) ہوں گے ؟ فرمایا نہیں۔ پھر پوچھا یاروں میں سے کوئی زندہ ہوگا ؟ . . . . (لفظ پڑھا نہ جا سکا) پھر پوچھا میں زندہ ہوں گا؟ کہا نہیں۔ پھر پوچھا فاطمہؓ ہوں گی ؟ کہا نہیں۔ پھر پوچھا یا رسول اللہ! میرے غریبوں کا ماتم کون کرے گا ؟ جواب دیا میرے اُمتی۔ اس کے بعد علیؓ اور رسولِ خدا صلعم دونوں روئے اور شہزادوں کو سینے سے لگا کر باآواز بلند کہا کہ اے غریبو! ہم نہیں جانتے کہ اس دشت میں تمہارا کیا حال ہوگا۔" (انتہی بلفظہ)

تنقید و تبصرہ سے پہلے ناظرین اس بات پر غور کریں کہ اس روایت کا ناقل کون ہے ؟ سلطان المشائخ حضرت نظام الدینؒ اولیاء۔ وہ کس سے نقل کر رہے ہیں ؟ اپنے پیر و مرشد شیخ المشائخ حضرت فریدالدین گنج شکر سے۔ اب وہ کون سا چشتی ہوگا جسے ان خرافات کی صحت میں شک ہو سکتا ہے ؟ لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہ روایت از اوّل تا آخر کذب و افترا اور بہتان ہے کیونکہ :-

ا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بلاشک و شبہ سلاھ میں ہو گئی تھی۔

ب۔ امیر یزیدؒ کی ولادت ۲۶ھ میں ہوئی تھی۔

لہٰذا ثابت ہوُا کہ یہ افسانہ سراسر جھوٹا ہے۔ کسی سبائی نے یہ لغو اور من گھڑت داستان ملفوظات میں شامل کر دی ہے تاکہ مسلمان بالعموم اور چشتی افراد بالخصوص اس شخص کو دوزخی یقین کر لیں جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت دی تھی کہ "پہلا لشکر جو قیصر روم کے شہر پر حملہ آور ہوگا مغفور ہے"

ظاہر ہے کہ یہ بشارت آپؐ نے وحی الٰہی کی بنا پر دی تھی۔ اس لئے اس کی صداقت میں کوئی شک نہیں ہے۔ اب سُنیئے کہ جس لشکر نے سب سے پہلے قیصر کے شہر پر حملہ کیا تھا اس کی قیادت امیر یزید نے کی تھی اور حضرت حسینؓ کے علاوہ بہت سے صحابہؓ نے اسی لئے باشتیاق تمام اس جہاد میں شرکت کی تھی کہ حضورِ انور صلعم نے مجاہدین کے جنتی ہونے کی بشارت دے دی تھی۔ دیگر صحابہؓ کے ساتھ حضرت حسینؓ نے بھی اسی شخص کی اقتدا میں نمازیں پڑھی تھیں جسے مسلمان کہلانے والے "دوزخی" سمجھتے

ہیں۔ کیا خدا کی شان ہے ! جسے حضورؐ مغفور قرار دیں، آپ کے نام لیوا اسے ملعون کہتے نہیں تھکتے۔

خیر یہ تو ایک سخن گسترانہ بات تھی۔ میں نے اپنا دعویٰ ثابت کر دیا کہ جو ملفوظات بزرگانِ دین سے منسوب ہیں وہ کلیتہً قابل اعتماد نہیں ہیں۔ ان میں سبائیوں نے جھوٹی روایات اپنی طرف سے داخل کر دی ہیں۔

جامی پر دست درازی

(۳) سنائیؒ عطارؒ، اور رومی کے بعد صوفیانہ ادب میں جامی کا نام معروف ترین ہے[1] جیسا کہ ہر طالب علم جانتا ہے۔ جامیؔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ سے وابستہ ہیں۔ یہ سلسلہ افضل الصحابہ، بلکہ افضل البشر بعد الانبیاء، وارثِ کمالات نبوت، متمکن ذروۂ ولایت، ثانی اسلام و غار و بدر و قبر، خلیفۂ رسولؐ بلا فصل، امیر المومنین قدوۃ الصدیقین سیدنا و مولانا حضرت ابو بکر الملقب بصدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔ جامیؔ نے سب سے پہلے مولانا سعد الدین کاشغری نقشبندیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی وفات ۸۶۰ھ کے بعد خواجہ ناصر الدین الملقب بخواجۂ احرار ۸۹۵ھ سے رشتۂ ارادت استوار کیا اور باقاعدہ سلوک طے کر کے وہ مقام حاصل کیا کہ ان کا شمار سلسلۂ نقشبندیہ کے مشائخ میں ہوتا ہے تمام تذکرہ نویسوں نے انہیں اہل سنت میں شمار کیا ہے۔ انھوں نے اپنی اکثر تصانیف میں خلفائے اربعہؓ کی مدح کی ہے مثلاً:۔

یکے ثانی اثنین در کنج غار — کہ چوں مار شد ناوک جاں شکار
دوم آنکہ از سکۂ عدل اوست — کزیں گونہ دنیا و دیں سرخ روست
سوم شرم گیتی کہ شد بے قصور — ز شمع نبوت نصیبش دو نور
چہارم کہ آں ابر در یا نثار — غمِ او کرم برقِ او ذوالفقار

مثنوی خردنامۂ اسکندری

در میانِ ہمہ نبود تحقیق — بخلافت کسے بہ از صدیقؓ

---

[1] دردِ دلہائے بستہ را کشاید ٭٭ دو بیت از پیر رومی یا ز جامی (اقبال)

وزیرے او نبود از اں احرار — کس چو فاروق لائق ایں کار

بعد فاروق جز بذی النورین — کار ملت نیافت زینت و زین

بود بعد از ہمہ بعلم و وفا — اسد اللہ خاتم الخلف

لعن کز رافضی شود واقع — شود آں لعن ہم بدو راجع

(سلسلۃ الذہب)

آں چار ستون خانہ دیں — واں چار چراغ بزم تمکین

ہر یک بخلافت سزاوار — ہر چار یکے و ہر یکے چار

ایشاں بہ یگانگی بہم راست — بیگانگی از فضول ماخاست

(لیلیٰ مجنوں)

لیکن ان تصریحات کے باوجود بعض لوگوں نے ان کو مائل بہ تشیع قرار دیا ہے اور بعضوں نے ان کو اہل تقیہ میں شمار کیا ہے چنانچہ محمد حسین الحسینی خاتون آبادی لکھتا ہے:۔

"ان تمام دلائل کے باوجود جو ان کے ناصبی ہونے پر شاہد ہیں۔ ہم ان کو اہل تقیہ میں شمار کر سکتے ہیں یعنی وہ دل میں شیعہ تھے مگر زبان اور قلم سے اپنے آپ کو سُنی ظاہر کرتے تھے۔

پھر اپنے مدعا کی تائید میں اس نے یہ حکایت نقل کی ہے جس کا راوی علیؒ بن عبدالعال ہے وہ کہتا ہے کہ :۔

"میں سفر نجف میں جامی کے ساتھ تھا میں نے تقیہ کر کے اپنے عقائد کو ان سے پوشیدہ رکھا تھا۔ جب ہم بغداد پہنچے تو ایک دن لب دجلہ تفریح کے لیے گئے۔ اتفاقاً ایک قلندر وہاں آنکلا۔ اور امیرالمومنین علی علیہ السلام کی شان میں ایک قصیدہ غرّا سنانا شروع کیا۔ جامی پر رقت طاری ہو گئی اور سر بسجود ہو گئے۔ پھر سر اٹھایا قلندر کو پاس بلایا اور بہت انعام دیا۔ اس کے بعد مجھ سے پوچھا تم نے مجھ سے گریہ اور سجدے کا سبب کیوں نہیں پوچھا؟ میں نے کہا اس کا سبب آشکار تھا

کیونکہ علی خلیفہ چہارم ہیں اور ان کی تعظیم واجب ہے۔"

یہ سن کر جامی نے کہا "علی خلیفۂ چہارم نہیں ہیں بلکہ پہلے خلیفہ ہیں۔ اب مناسب ہے کہ میں تقیہ کا لبادہ اتار دوں اور چونکہ ہمارے درمیان مودت پیدا ہو چکی ہے اس لئے میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں شیعان خلص امامیہ میں سے ہوں لیکن تقیہ کرنا واجب ہے۔"

"نیز بعض از افاضل ثقات نے بیان کیا ہے کہ ہم نے جامی کے خدام سے یہ سنا ہے کہ ان کے تمام اہل بیت مذہب امامیہ رکھتے تھے لیکن مولانا تقیہ میں بہت مبالغہ فرماتے تھے اور ہمیشہ اپنے اہل و عشیرت کو اس کی وصیت کرتے رہتے تھے۔"

یہ فسانۂ عجائب نقل کرنے کے بعد کلیات جامی کا مقدمہ نگار لکھتا ہے کہ: "جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اُس سے تمائل نسبت بشیعا امامیہ تو ثابت ہوتا ہے لیکن یہ تمام دلائل بہت سُست پایہ ہیں کیونکہ جامی نے صاف لفظوں میں ابو طالب کو کافر قرار دیا ہے" بعضوں نے کہا ہے کہ جامی شروع میں سُنی تھے مگر آخر عمر میں شیعہ ہو گئے تھے۔

مقدمہ نگار (ہاشم رضی) لکھا ہو کہ "یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ خرونامہ اسکندری" آخر عمر میں لکھی تھی مگر اس میں بھی انہوں نے خلفائے اربعہ کی مدح کی ہے" یہی مقدمہ نگار صفحہ ۱۹۸ پر پھر لکھتا ہے کہ "چونکہ جامی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدح میں قصائد لکھے ہیں اور بعض غزلوں میں بھی ان کی توصیف کی ہے اس لئے بعض لوگوں نے انہیں روشِ امامیہ اور تشیع سے منسوب کر دیا ہے۔"

خلاصۂ کلام ایں کہ جامی کے بارے میں حسب ذیل خیالات ظاہر کئے گئے ہیں۔

(۱) بعض انہیں سُنی کہتے ہیں اور سُنی بھی نقشبندی۔

(۲) بعض نے انہیں مائل بہ تشیع لکھا ہے۔

(۳) بعض کا خیال ہے کہ وہ ساری عمر تقیہ فرماتے رہے۔

(۴) بعض کا فیصلہ یہ ہے کہ شروع میں سُنی تھے لیکن قبل وفات شیعہ ہو گئے تھے۔

فتنہ پردازوں نے یہ اتہامات اس شخص پر لگائے ہیں جس نے سلسلۃ الذہب میں صاف طور پر لکھا ہے۔

بود بو طالب آں تہی ز طلب | مر نبیؐ را عم و علیؓ را اب
خویش و نزدیک بود با ایشاں | نسبت دیں نیافت با خویشاں
ہیچ سود سے نداشت آں نسبش | شد مقرر در سقر چو بولہبش !

انہی اشعار کی پاداش میں بقول مقدمہ نگار "شاہ اسماعیل صفوی ہنگام تسخیر بلدۂ ہرات بنا بر تعصب مذہب قبر مولوی را منہدم ساخت" صہ۱۹۳

اس کے باوجود ارباب کیس نے ان کے مذہبی عقائد کو عامۃ المسلمین کی نظروں میں اور کچھ نہیں تو مشتبہ اور محل بحث و نزاع یقیناً بنا دیا ہے۔

باطل پرستوں نے ایک جھوٹی روایت بھی تصنیف کر دی کہ سفر نجف میں انہوں نے اپنے ہم سفر سے اپنے شیعہ ہونے کا اقرار کیا تھا۔ یہ روایت بالکل لغو اور بے اصل و بے سند ہے مگر یہ طائفہ ضالہ بخوبی واقف ہے کہ عوام نہ تنقید کی صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ انہیں تنقید کی فرصت ہوتی ہے۔

جامی کے بارے میں جو کچھ میں نے لکھا ہے یہ سب کلیات جامی کے مقدمے سے ماخوذ ہے جو ہاشم رضا ایرانی نے لکھا ہے (صہ۱۸۰ تا ۱۹۰ و ۱۹۱ تا ۱۹۷)

میرا مقصد اس بحث سے یہ واضح کرنا ہے کہ سبائیہ باطنیہ اور دشمنانِ صحابہؓ نے مشہور صوفیوں کے عقائد میں دیدہ و دانستہ ایسے شبہات پیدا کر دیئے ہیں جن سے ان کے عقیدت مندوں کے قلوب میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ وہ یا تو تقیہ کرتے تھے یا مائل بہ تشیع تھے اور اس طرح انہیں ان کے (اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ قدرتی طور پر ان کا میلان بھی تشیع کی طرف ہو جائے گا) آبائی مذہب سے برگشتہ کرنا آسان ہو جائیگا۔ راقم الحروف کے استنتاج کی سمت تاریخی شواہد سے پایۂ ثبوت کو پہنچ سکتی ہے۔ پاکستان کے اکثر و بیشتر سُنی بزرگوں کے مزاروں کے سجادہ نشین اور متولی مذہب امامیہ اختیار کر چکے ہیں اور اپنے بزرگوں کے جاہل عقیدت مندوں سے یہ کہتے ہیں کہ یہ حضرات بھی امامیہ مذہب ہی کے پیرو تھے۔ کیا طرفہ تماشا ہے، صاحب مزار سُنّی تھا لیکن آج اس کا سجادہ نشین یا متولی شیعہ ہے۔ لاریب یہ اسی طریق کار کا ثمر شیریں ہے جو اس جماعت نے ایک ہزار برس سے اختیار

کر رکھا ہے کہ جس طرح ہو سکے صوفیوں کو مسلک امامیہ کا پیرو ثابت کرو تاکہ عوام بھی اپنے پیشواؤں کے مذہب کی طرف مائل ہو سکیں۔

رومی کے دیوان اور ملفوظات میں الحاق

(۴) رومیؒ کی مثنوی میں جہاں تک میری معلومات ہیں سبائیہ اور قرامطہ نے تدلیس نہیں کی لیکن ان کے دیوان میں چند غزلیات اپنی طرف سے ضرور داخل کر دی ہیں اور ان کے ملفوظات میں بھی ایک روایت ایسی درج کر دی ہے جو رومیؒ ہرگز بیان نہیں کر سکتے تھے۔ اس وقت میرے پیش نظر فیہ ما فیہ کا انگریزی ترجمہ ہے۔ اس میں ص۹۹ پر یہ روایت رومیؒ سے منسوب ہے پڑھیے اور سر دھنئے۔

"نقل ہے کہ ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ساتھ کسی غزوے سے واپس آئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ بانگ دہل اعلان کر دو کہ آج کی رات ہم شہر کے دروازے کے پاس بسر کریں گے اور کل صبح شہر میں داخل ہوں گے۔" یہ سن کر صحابہؓ نے سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "یہ ہو سکتا ہے کہ تم اپنی بیویوں کو اجنبی لوگوں کے ساتھ مباشرت میں مشغول پاؤ اور یہ دیکھ کر تمہیں بہت صدمہ ہوگا اور ایک ہنگامہ برپا ہو جائے گا۔" لیکن ایک صحابی نے حضورؐ کے ارشاد پر عمل نہ کیا وہ اپنے گھر چلے گئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک غیر مرد کے ساتھ مشغول پایا۔"

اس لغو روایت پر تنقید کرنے کو دل نہیں چاہتا تاہم دل پر جبر کر کے اتنا لکھنا ضروری ہے کہ یہ روایت کسی سبائی کے خبث باطنی کی مظہر ہے۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بھی ختم کر کے اپنی اسلام دشمنی کا پورا ثبوت بہم پہنچا دیا ہے۔

ا۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ علم غیب معلوم ہو چکا تھا کہ صحابہؓ کی بیویاں غیروں سے زنا کرا رہی ہیں اس کے باوجود آپؐ نے چشم پوشی فرمائی اور اس فعل شنیع کو گوارا کر لیا۔ سبحان اللہ! راوی نے رسول اللہ کی سیرت

کا کتنا بلند نقشہ کھینچا ہے۔!

(ب) بعض صحابہؓ نافرمان بھی تھے یعنی رسولؐ اللہ مومنوں اور منافقوں میں ساری عمر امتیاز نہ کر سکے۔

(ج) بعض صحابہؓ کی بیویاں زناکار تھیں۔

(د) رسولؐ کی سیرت اور تعلیم کا صحابہؓ پر کوئی اثر مرتب نہیں تھا۔

(ہ) رومی اس قدر غیر محتاط تھے کہ بلا تحقیق لغو اور بے سروپا روایات اپنی مجلسوں میں بیان کرتے رہتے تھے کیونکہ نہ تو انھوں نے یہ بتایا کہ اس خرافات کا واضع کون ہے اور نہ یہ بتایا کہ وہ غزوہ کون سا تھا؟ اور نہ یہ بتایا کہ یہ روایت انھوں نے حدیث یا سیرت یا مغازی کی کون سی کتاب میں پڑھی تھی

غور کیا اس خبیث سبائی نے ایک تیر سے کتنے شکار کیئے! طرفہ تماشا یہ ہے کہ یہ روایت جو ہفوات کا بدترین نمونہ ہے صدیوں سے کتاب میں نقل ہوتی چلی آرہی ہے کسی مسلمان کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ اسے جعلی قرار دے کر کتاب سے خارج کر دیتا۔ دراصل یہ نتیجہ ہے شخصیت پرستی اور تقلید کور کا جو کتاب بھی یا جو شعر بھی کسی ولی اللہ یا امام سے منسوب ہو جائے، کسی مسلمان میں اس پر تنقید کی جرأت نہیں ہوسکتی۔ تصوف یا فقہ کا یہی وہ پہلو ہے جس کی وجہ سے رفتہ رفتہ مسلمانوں میں ذوقِ تحقیق ہی ختم ہوگیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی علمی ترقی رک گئی وہ آج بھی اسی مقام پر ہیں جہاں نویں صدی میں تھے ؎

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے

شیخ محی الدین ابن عربی پر ظلم

(۵) شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ جیسا کہ فتوحات مکیہ کے مطالعے سے معلوم ہوسکتا ہے، نہایت راسخ العقیدہ اور متبع شریعت بزرگ تھے۔ فتوحات مکیہ کے پہلے باب میں انھوں نے تین وصل قائم کیئے ہیں اور پہلے وصل میں اپنا عقیدہ بیان کیا ہے اسے غور سے پڑھا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ عقائد نسفی کی شرح پڑھ رہے ہیں۔ انھوں

نے سرِ مو اشاعرہ کے مسلک سے انحراف نہیں کیا ہے چونکہ اس تاریخ میں ان کا مفصل تذکرہ لکھوں گا اس لئے اس جگہ صرف اس بات پر اکتفا کرتا ہوں کہ ان کی تصانیف میں بھی سبائیہ اور قرامطہ نے تدسیس کی ہے چنانچہ امام شعرانی اپنی تصنیف الیواقیت والجواہر صفٹ مطبوعہ مصر ۱۳۵۱ھ میں یہ لکھتے ہیں:۔

"حضرت شیخ کتاب اور سنت کے پابند تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ایک لحظے کیلئے بھی میزان شرع کو اپنے ہاتھ سے پھینک دے گا وہ یقیناً ہلاک ہو جائے گا۔ ان کی تصانیف میں جو عبارتیں ظاہر شریعت سے معارض ہیں وہ سب مدسوس ہیں۔ (دوسروں نے داخل کر دی ہیں) مجھے اس حقیقت سے سیدی ابوالطاہر المغربی نے آگاہ کیا جو اس وقت مکہ معظمہ میں مقیم تھے۔ انہوں نے مجھے فتوحات کا وہ نسخہ دکھایا جس کا مقابلہ انھوں نے قونیہ میں شیخ اکبر کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے سے کیا تھا۔ اس نسخے میں وہ فقرے نہیں تھے جو میرے نسخے میں تھے اور میں نے ان فقروں میں توقف (ان کی صحت میں شک) کیا تھا جب میں فتوحات کا اختصار کر رہا تھا۔

اس کے بعد لکھتے ہیں "ان ملاحدہ اور زنادقہ (قرامطہ و سبائیہ) نے سب سے پہلے امام احمد بن حنبلؒ اور اس کے بعد علامہ مجدالدین فیروز آبادی اور امام غزالی کی تصانیف خصوصاً احیاء العلوم میں تدسیس کی ہے"

اس کے بعد لکھتے ہیں "اس فرقہ باطنیہ کی جسارت کا یہ عالم ہے:۔

"کہ اس فرقے کے ایک شخص نے ایک کتاب لکھ کر میری طرف منسوب کر دی اور تین سال تک یہ کتاب میری زندگی میں متداول رہی۔"

"پھر لکھتے ہیں کہ زنادقہ نے امام احمد بن حنبلؒ کے مرض الموت کے زمانے میں ایک کتاب جس میں اپنے باطنی عقائد بیان کئے تھے، پوشیدہ طور پر (ان کا شاگرد بن کر) ان کے سرہانے تکیے کے نیچے رکھ دی تھی اور اگر امام مرحوم کے تلامذہ ان کے عقائد سے بخوبی واقف نہ ہوتے تو جو کچھ انہوں نے مرحوم کے تکیے کے نیچے پایا تھا۔ اس کی وجہ سے وہ لوگ بہت بڑے فتنے میں مبتلا ہو جاتے۔"

بعض دوسری مثالیں

(۹) سبائیہ اور قرامطہ نے صوفیوں کی تصانیف میں تدسیس کے علاوہ، انہی تصانیف نظم ونثر میں ان میں سے بعض کو اپنی جماعت کا فرد ظاہر کرکے، اہل سنت کی نگاہوں میں ان کی دینی حیثیت کو مشکوک اور محل نظر بنا دیا۔ بخوف طوالت صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔

خواجہ عبداللہ انصاری ہروی جو منازل السائرین کے مؤلف ہیں۔ پانچویں صدی کے مشاہیر صوفیوں میں سے ہیں لیکن ایک اسمٰعیلی شاعر نے اپنے دیوان میں ان کی مدح کی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ادارۂ نشریات اسمٰعیلیہ بمبئی نے غالباً ۱۹۳۵ء میں خاکی خراسانی اسمٰعیلی کا دیوان شائع کیا تھا جسے پروفیسر آئی وینانف (IVANOW) نے مرتب کیا ہے پروفیسر مذکور اپنے مقدمے میں لکھتا ہے۔

"اگرچہ اسمٰعیلی دعاۃ کو بہت ستایا گیا مگر ان کی دعوت کا تصوف پر بہت اثر مرتب ہوا اور تصوف عرصہ دراز تک ان کے خیالات سے فیض یاب ہوتا رہا۔"

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسمٰعیلی دعاۃ نے اپنے خیالات کی اشاعت کے لئے تصوف کو آلہ کار بنایا یعنی صوفیوں کے لباس میں اپنے عقائد کی اشاعت کی۔ اب میں خاکی کے دو شعر نقل کرتا ہوں۔

طوطی ام شہ مرا بود مرا است | شکرم اندر دکانِ عطار است
ژندہ پیل احمد است قبلہ ما | خواجہ عبداللہ کہ ز انصار است

ان دو شعروں سے تینوں صوفیوں کی مذہبی حیثیت مشکوک ہوگئی۔ اب دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ یا تو عطار احمد ژندہ پیل اور عبداللہ انصاری یہ تینوں دراصل باطنی تھے جنھوں نے سنی بن کر مسلمانوں کو گمراہ کیا یا خاکی نے ان کی حیثیت کو مشتبہ کرنے کی غرض سے اپنا ممدوح اور ژندہ پیل کو اپنا قبلہ بنالیا۔

پروفیسر مذکور اپنے ایک مضمون میں جو رائل ایشیاٹک سوسائٹی شاخ بمبئی کے جرنل ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا تھا صفحہ ۶۹ پر لکھتا ہے کہ

"اسمٰعیلیہ نے اپنے شیعی تصوّف کی خصوصیات کو بہرحال برقرار رکھا۔ انہوں نے ادبیات تصوّف کا بڑے ذوق سے مطالعہ کیا مگر اس کی شرح اپنے مخصوص عقائد کی روشنی میں لکھی۔"

یعنی باطنیہ نے سنی صوفیہ کی تصانیف کی شرح اپنے زاویہ نگاہ سے لکھ کر اہل سنت کو ورطہ ضلالت میں غرق کر دیا۔ ان تصریحات سے میرا دعویٰ پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ باطنیہ اور قرامطہ اور اسمٰعیلیہ حضرات نے تصوّف کا لبادہ اوڑھ کر اپنے عقائد مسلمانوں میں شائع کر دیئے چونکہ بعد میں آنے والے صوفیوں نے اسلاف پر تنقید کو سوء ادب سمجھا اس لئے قرامطہ کے عقائد کو من و عن صحیح تسلیم کر لیا اور رفتہ رفتہ ان باطنیہ کے ہم عقیدہ بن گئے۔

اس طرح غیر اسلامی عقائد چوتھی صدی ہجری سے مسلمانوں میں مقبول ہو گئے چنانچہ ابو نصر سراج اپنی تصنیف کتاب اللمع میں لکھتے ہیں:۔

"بغداد کے بعض صوفیہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جب سالک کی ذاتی صفات فنا ہو جاتی ہیں تو وہ صفات ایزدی میں داخل ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے حلول کا دروازہ کھل جاتا ہے اور یہ عقیدہ کفر ہے"

شمس الدین افلاکی نے جو چلپی عارف کے مرید اور رومی کے ہم نشین تھے۔ ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام مناقب العارفین ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ احمدی پریس رامپور یوپی سے ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کتاب سے دو قصے نقل کرتا ہوں جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے طلسم ہوشربا سے بھی بڑھ کر ہیں۔ پڑھیئے اور دشمنان اسلام کی چیرہ دستی کا ماتم کیجئے۔

ص ۲۴۱ پر لکھتا ہے کہ ایک دن کرا خاتون زوجہ مولانا رومی کے دل میں خیال آیا کہ مولانا ایک عرصے سے میری جانب ملتفت نہیں ہیں خدا معلوم شہوانی جذبات باقی ہیں یا بالکل فنا ہو گئے ہیں (مولانا کو بذریعہ کشف ان کا یہ خیال معلوم ہو گیا) رات کو مولانا ان کے پاس گئے۔ جذبات شہوانی کا یہ عالم تھا کہ

کرا خاتون پریشان ہو کر استغفار پڑھنے لگیں۔ مولانا نے ستّر بار جماع کیا۔ پھر فرمایا "مردانِ خدا ہر شئے پر قادر ہیں"۔ ترک یا قلت مباشرت کا باعث استغراق ہے"۔

اس کے بعد جو روایت درج ہے اسے پڑھنے سے پہلے کلیجے کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیجئے مبادا شق ہو جائے۔

"پھر فرمایا کہ آنحضرتؐ اور ان کی ایک زوجہ میں بھی یہی معاملہ ہوا تھا۔ ایک دن انھوں نے ایک چڑے کو چڑیا کے ساتھ جفت ہوتے دیکھ کر بطور مطائبہ آپ سے کچھ کہا۔ چنانچہ بوقت شب آپ نے ان سے نوّے ۹۰ بار قربت فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا "ہم نے خود لذات دنیا کو ترک کر دیا ہے ورنہ یہاں کچھ کمی نہیں ہے"!

ص ۲۵۹ پر یہ روایت درج ہے "مولانا رومی نے فرمایا کہ ایک دن آنحضرت صلعم نے کچھ اسرار حضرت علیؓ کو خلوت میں تعلیم فرمائے اور وصیّت کی کہ نامحرم سے بیان نہ کرنا۔ حضرت علیؓ نے چالیس روز تک ضبط کیا۔ اس کے بعد ان کا پیٹ حاملہ عورت کی طرح پھول گیا۔ مجبوراً صحرا میں جا کر ایک کنویں میں منہ لٹکایا اور سب اسرار بیان کر دیئے۔ چند روز کے بعد اس کنویں سے نَے کا ایک درخت نکلا۔ ایک چرواہے نے اس سے نَے (بانسری) بنائی۔ اتفاقاً آنحضرت صلعم نے اس نَے کی آواز سنی تو اُسے بلایا اور سُن کر فرمایا "اس نَے سے ان اسرار کی شرح نمایاں ہے جو ہم نے حضرت علیؓ کو تلقین کئے تھے۔

میرا خیال ہے کہ یہ قصے محتاج تنقید نہیں ہیں ان کی لغویت خود شاہد ہے کہ انہیں کسی دشمنِ اسلام نے مناقب العارفین میں داخل کر دیا ہے۔

امام شعرانی کی تصنیف الطبقات الکبریٰ کے اردو ترجمے میں ص ۴۹۵ پر یہ روایت درج ہے۔

"بعضِ ظاہر و باطن عارف۔ علی ابن ابی طالب اسی طرح اٹھائے گئے ہیں جس طرح عیسیٰ اور عیسیٰ کی طرح عنقریب نازل ہوں گے"۔ میں (استاد سید علی فرزند سید محمد وفا) کہتا ہوں کہ سید علی خواص بھی اس کے قائل تھے چنانچہ میں نے ان کو کہتے سنا کہ

نوح نے کشتی میں سے ایک تختہ علی کے نام اٹھا کر رکھا ا نوح کو خدا نے بتا دیا تھا ا
وہ تختہ محفوظ رہا چنانچہ علی اسی تختے پر اٹھائے گئے۔ واللہ اعلم بالصواب"۔

اس روایت کا مضمون خود بتا رہا ہے کہ یہ کسی ایسے شخص کی موضوعہ ہے جو حضرت علیؓ کے رفع سماوی کا عقیدہ رکھتا تھا اور تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ عقیدہ سب سے پہلے عبداللہ ابن سبا نے شائع کیا تھا۔

ان دشمنانِ اسلام نے صرف تصوّف ہی کی کتابوں میں تدلیس نہیں کی بلکہ اہل سنت کی کتب احادیث اور کتب عقائد میں بھی اپنے مزعومات اس طرح شامل کر دیئے کہ مرور ایام سے وہ اوہام باطلہ اہل سنّت کے عقائد بن گئے۔ چنانچہ شرح عقائد نسفی مصنفہ علامہ سعد الدین تفتازانی سے ایک مثال ذیل میں درج کرتا ہوں۔ یہ کتاب آج بھی تمام عربی مدارس میں داخل نصاب ہے اور نہایت مستند تسلیم کی جاتی ہے۔

واضح ہو کہ اہل سنت کے امام فی العقائد ابو حفص نجم الدین النسفی الماتریدی متوفی ۵۳۷ھ نے علم عقائد میں ایک متن لکھا تھا جس کا نام ہے عقائد النسفی علامہ تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ نے اس کی شرح لکھی ہے جس کا نام ہے شرح عقائد نسفی جو تمام دینی مدارس میں داخل نصاب ہے۔

امام نسفی نے اس متن میں لکھا ہے "صحابہؓ کو ہمیشہ صرف کلمات خیر ہی سے یاد کرنا چاہیئے"۔ علامہ اس کی شرح کے سلسلے میں لکھتے ہیں:۔

"بہرکیف یزید بن معاویہؓ کے بارے میں علماء نے آپس میں اختلاف کیا ہے (کہ ان پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں) چنانچہ الخلاصہ[۱] میں اور دوسری کتابوں میں بالصراحت مرقوم ہے کہ یزید یا حجاج پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ان لوگوں پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جو نماز پڑھتے ہوں اور جن کا شمار اہل قبلہ میں سے ہو۔ بعضوں نے اس وجہ سے یزید پر لعنت کو جائز سمجھا ہے کہ جب اس نے الحسینؓ کے قتل کا حکم دیا تو وہ کافر

---

[۱] اس سے غالباً کتاب خلاصۃ الاحکام مصنفہ امام نووی مراد ہے

ہو گیا۔ ان لوگوں نے ان پر بھی لعنت کرنے کو جائز قرار دیا جنہوں نے الحسینؓ کو قتل کیا یا اس کا حکم دیا یا اس کی اجازت دی یا اس پر اپنی رضا کا اظہار کیا۔"

اختلاف کا تذکرہ کرنے کے بعد شارح اپنی رائے ان الفاظ میں لکھتا ہے :۔

حقیقت یہ ہے کہ یزید کا قتل الحسینؓ پر رضا مندی کا اظہار اور قتل پر اپنی خوشی کا اظہار اور نبیؐ کے خاندان کی توہین، یہ ایسی باتیں ہیں جو تواتر سے ثابت ہیں۔ اس لئے ہم اس پر لعنت کے بارے میں بالکل تامل نہیں کرتے بلکہ ہم کو اس کے عقائد کے بارے میں بھی فیصلہ کرنے میں کوئی توقف نہیں ہے (یعنی ہم اسے کافر یقین کرتے ہیں) اس لئے اس پر اور اس کے اعوان و انصار سب پر خدا کی لعنت ہو

میری رائے میں یہ فقرہ جو "حقیقت یہ ہے" سے شروع ہو کر لعنت پر ختم ہوتا ہے علامہ موصوف کا تحریر کردہ نہیں ہے بلکہ کسی سبائی نے اپنی طرف سے شامل کر دیا ہے۔ قرینہ اس پر یہ ہے کہ لعنت کے جواز پر جو تین وجوہ بیان کی گئی ہیں وہ تینوں غلط اور جھوٹی ہیں کیونکہ تاریخی طور پر ثابت نہیں ہو سکتیں۔ میں اپنے دعوے کے ثبوت میں تاریخ ابن الاثیر المتوفی سنہ ۶۳۰ھ جلد سوم مطبوعہ ۱۳۵۶ھ، ص ۲۹۹، ۳۰۰ سے ضروری تصریحات پیش کرتا ہوں۔

ا۔ یزید نے الحسینؓ کے سر کو دیکھ کر کہا خدا کی قسم اگر میں (کربلا میں) تیرے ساتھ ہوتا تو میں تجھے قتل نہ کرتا۔

ب۔ کوئی عورت آل یزید میں سے ایسی باقی نہ رہی جس نے اس واقعہ پر ماتم نہ کیا ہو۔

ج۔ یزید نے حکم دیا کہ علی ابن حسینؓ اور اس کے خاندان کی عورتوں کو علیحدہ مکان میں ٹھہرایا جائے اور یزید نہ صبح کا کھانا کھاتا تھا نہ رات کا جب تک علی ابن حسینؓ کو اپنے ساتھ شریک طعام نہ کر لیتا تھا۔

د۔ یزید نے کہا میں تو حسینؓ کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھتا اور جو وہ چاہتا اسی کا حکم دیتا۔ خواہ اس سے میری سلطانی کو ضعف ہی کیوں نہ پہنچتا اور میں یہ طرز عمل اس قرابت کی بنا پر کرتا جو اسے رسول اللہؐ سے حاصل تھی۔

ھ۔ اللہ لعنت کرے ابن مرجانہ پر اور اپنا غضب نازل کرے اس پر

و۔ اور جب یزید نے ارادہ کیا کہ ان کو مدینے بھیجے تو نعمان بن بشیر کو حکم دیا کہ ضروری سامان سفر مہیا کیا جائے اور ایک امین آدمی اہل شام میں سے مع فوج ان کے ساتھ کرے۔

ز۔ بوقت رخصت یزید نے علی کو بلایا اور کہا "اللہ لعنت کرے ابن مرجانہ پر قسم خدا کی اگر میں اس کے ساتھ ہوتا جو وہ طلب کرتا اسے دیتا اور اس سے اس کی مصیبت کو دور کرتا خواہ اس میں میرا کوئی بیٹا ہی کیوں نہ کام آجاتا لیکن اللہ کا فیصلہ یہی تھا جو تو نے دیکھا۔ اے بیٹے جب تجھے کوئی حاجت درپیش ہو تو مجھے لکھنا۔

ح۔ جب قافلہ مدینہ پہنچا تو فاطمہ بنت علی نے اپنی بہن زینب سے کہا "اس شخص نے (جو قافلے کا انچارج تھا) ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے کیا تیرے پاس کچھ ہے جو اسے دیا جائے"؟ زینب نے کہا ہمارے پاس زیورات کے سوا اور کیا ہے؟ پس دونوں نے اپنے سوارین اور دملجین اتارے اور اس کے پاس بھیجے لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں نے یہ حسنِ سلوک رسول اللہ سے تمہاری قرابت کی بنا پر کیا ہے۔"

میں نے احتیاطاً ابن اثیر کی عربی عبارت کا ٹھیٹھ لفظی ترجمہ کر دیا ہے۔ اب قارئین خود فیصلہ کر لیں کہ ان تصریحات سے وجوہِ لعن و تکفیر میں سے کوئی ایک وجہ بھی ثابت نہیں ہوتی۔ ابن اثیر کے علاوہ کسی مستند تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ امیر یزیدؒ نے قتلِ حسینؓ کا حکم دیا تھا یا قتل کی اطلاع پر چراغاں کیا تھا یا جشن مسرت منعقد کیا تھا یا خواتین کی بے حرمتی کی تھی۔

اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ آخری فقرہ علامہ تفتازانی ہی کے قلم سے نکلا ہے تو وہ دوسرے لفظوں میں علامہ کو تاریخ اسلام سے ناواقف ثابت کر رہا ہے۔ علامہ تفتازانی نے ۷۹۱ھ میں وفات پائی۔ اس لئے انہوں نے تاریخ طبری مصنّفہ طبری المتوفّٰی ۳۱۰ھ اور تاریخ الکامل مصنفہ ابن اثیر متوفّٰی ۶۳۰ھ اور البدایہ والنہایہ مصنفہ ابن

کبیر متوفی ۷۹۲ھ ضرور پڑھی ہوگی. اب عقلاً صرف دو صورتیں ممکن ہیں.

۱۔ یا تو علامہ تفتازانی کو ایک جاہل شخص تسلیم کر لیا جائے۔

۲۔ یا پھر اس عبارت کو ان سے منسوب کرنے کی بجائے کسی جاہل سبائی کی تدسیس قرار دیا جائے. اس کے علاوہ، اس عبارت کے الحاقی ہونے پر ایک داخلی شہادت بھی پیش کرتا ہوں۔

شرح عقائد نسفی کا جو نسخہ میرے پیش نظر ہے وہ ۱۳۲۹ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا تھا. اس نسخے میں ہر جگہ حضرت حسین کے نام کے آگے رض لکھا ہوا ہے ۔ جیسا کہ اہل سنت کا مسلمہ دستور ہے مگر اس عبارت میں لفظ حسین کے اوپر ع بنا ہوا ہے. قدرتی طور پر سوال پیدا ہوگا کہ جب چار سطور پہلے رض بنا ہوا ہے تو یہاں اس فقرے میں ع کیوں بنا ہوا ہے؟ اس کا ایک ہی جواب ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ فقرہ کسی ایسے شخص نے اپنی طرف سے داخل کتاب کیا ہے جو حضرت حسین کو انبیاء کا ہم پلہ یقین کرتا ہے یعنی طائفہ سبائیہ سے تعلق رکھتا ہے. آئندہ کاتبوں نے نقل مطابق اصل کے قاعدے کی پابندی کی حتیٰ کہ یہ شاہد تدسیس ہمارے زمانے کی مطبوعہ کتابوں میں بھی بجنسہ موجود ہے اور زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ مجھے کسی ایسے شخص نے لکھا ہے جو شارح کتاب علامہ تفتازانی کا ہم خیال اور ہم عقیدہ نہیں تھا۔

اب ایک مثال سیرۃ النبیؐ سے درج کرتا ہوں :۔

سیرۃ النبی کی کتابوں میں ابن اسحٰق کی سیرۃ غالباً قدیم ترین ہے. یہ شخص مدینے میں ۸۵ھ میں پیدا ہوا تھا اور بغداد میں ۱۵۱ھ میں فوت ہوا. عقائد کے لحاظ سے شیعہ تھا. اس کی تصنیف موسومہ سیرۃ رسولؐ کو ابن ہشام نے ایڈٹ (مرتب) کیا جو بصرے میں پیدا ہوا تھا اور ۲۱۸ھ میں فسطاط (مصر) میں فوت ہوا. ابن اسحٰق کی سیرت آجکل سیرت ابن ہشام کے نام سے معروف ہے. ابن اسحٰق غزوہ خیبر کے سلسلے میں لکھتا ہے :۔

"عبداللہ بن سہیل نے مجھ سے کہا کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے سنا کہ جب

یہودی مسلح ہو کر قلعے سے یہ رجز پڑھتا ہوا نکلا "خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں الخ"
رجز پڑھنے کے بعد اس نے سب مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی۔ اس کے جواب میں کعب ابن مالک نے یہ رجز پڑھا "خیبر جانتا ہے کہ میں کعب ہوں الخ"
رجز خوانی کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا "اس شخص کا مقابلہ کون کرے گا ؟"
محمد ابن مسلمہؓ نے جواب دیا "مرحب کا مقابلہ میں کروں گا کیونکہ اس شخص سے انتقام لینا مجھ پر واجب ہے جس نے کل میرے حقیقی بھائیؓ کو قتل کیا تھا"۔ یہ سُن کر آنحضرت صلعم نے انہیں مرحب کے مقابلے میں جانے کی اجازت دی اور ان کی فتحیابی کے لئے دعا کی جب مرحب اور ابن مسلمہؓ ایک دوسرے کی طرف بڑھے تو ایک سخت درمیان میں حائل ہو گیا۔ انہوں نے اس کی شاخیں کاٹنی شروع کیں یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کے مقابل ہو گئے۔ پہلے مرحب نے وار کیا جسے ابن مسلمہ نے ڈھال پر روکا۔ اس کے فوراً بعد انہوں نے وار کیا اور مرحب کو قتل کر دیا۔
ہشام بن عروہ نے بیان کیا کہ جب مرحب کے قتل ہو جانے کے بعد اس کے بھائی یاسر نے دعوت مبارزت دی تو حضرت زبیر بن العوام مقابلے پر نکلے ان کی والدہ حضرت صفیہ نے آنحضرت سے پوچھا کیا دشمن میرے بیٹے کو قتل کر دے گا ؟ آپ نے جواب دیا "نہیں، بلکہ تمہارا بیٹا انشاءاللہ اپنے دشمن کو قتل کرے گا۔" حضرت زبیر یہ رجز پڑھتے ہوئے نکلے "خیبر جانتا ہے کہ میں زبار ہوں اور ان لوگوں کا سردار ہوں جو غیر فرار ہیں الخ" چنانچہ زبیر نے یاسر کو قتل کر دیا۔
بُریدہ بن سفیان بن فروہ نے مجھ سے (ابن اسحٰق) کہا کہ میرے باپ نے الاکوع سے سنا کہ آنحضرت نے حضرت ابوبکرؓ کو خیبر کے قلعوں میں سے ایک قلعہ فتح کرنے کو بھیجا لیکن وہ قلعہ فتح کئے بغیر واپس آ گئے۔ دوسرے دن آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو بھیجا لیکن وہی ہوا جو ان سے پہلے ہو چکا تھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "کل جھنڈا اس کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ اس کے ذریعے سے فتح عطا کرے گا وہ بھاگنے والا نہیں ہے" چنانچہ دوسرے دن آپ نے حضرت علیؓ کو بلایا جو آشوب چشم

میں مبتلا تھے۔ آنحضرتؐ نے اپنا لعاب دہن لگا دیا (آنکھیں اچھی ہوگئیں) اور جھنڈا دیکر فرمایا "اسے لے کر جاؤ یہاں تک کہ اللہ تمہارے ذریعے سے فتح عنایت کرے"۔ چنانچہ حضرت علیؓ بعجلت تمام قلعے کے نزدیک پہنچے اور پتھروں کے ڈھیر میں جھنڈا گاڑھ دیا۔ قلعے کی چوٹی سے ایک یہودی نے انہیں دیکھ کر نام پوچھا جب انھوں نے اپنا نام بتایا تو اس نے کچھ اس قسم کے الفاظ کہے کہ موسیٰؑ کی وحی کے مطابق تم کامیاب ہوگئے یا وہ الفاظ کہے جن کا مطلب یہ تھا حضرت علیؓ واپس نہیں آئے جب تک اللہ نے انہیں فتح عطا نہیں کردی۔"

(۷) عبداللہ بن الحسن نے مجھ (ابن اسحٰق) سے کہا کہ میرے خاندان کے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ میں نے ابو رافع (آنحضرتؐ کے آزاد کردہ غلام) سے سنا کہ "جب آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو اپنا جھنڈا دے کر بھیجا اور وہ قلعے کے نزدیک پہنچے تو اس کے محافظ باہر نکلے اور حضرت علیؓ نے ان سے جنگ کی۔ ایک یہودی نے ان پر حملہ کیا جس سے ان کی ڈھال ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اس لئے حضرت علیؓ نے جلدی سے دوڑ کر ایک دروازہ (کواڑ) اٹھا لیا جو قلعے کے پاس پڑا تھا اور اس سے ڈھال کا کام لیا جب فتح حاصل ہوگئی تو اُسے پھینک دیا۔ میں نے اس دروازہ (کواڑ) کو سات آدمیوں کے ساتھ مل کر اٹھانے کی کوشش کی مگر ہم اسے نہ اٹھا سکے۔" (مقتبس از انگریزی ترجمہ سیرۃ ابن اسحاق موسومہ سیرت رسول اللہؐ صفحات ۵۱۲ تا ۵۱۴ مطبوعہ لندن ۱۹۵۵ء)

یہ اقتباسات ابن اسحٰق یعنی ایک شیعہ مصنف کی کتاب سے پیش کئے گئے ہیں جو اس قدر راسخ العقیدہ تھا کہ اس نے اپنی اس تصنیف میں حضرت ابان بن حضرت عثمانؓ بن عفان کی تصنیف کتاب المغازی سے جو اس موضوع پر اولین تصنیف ہے اپنی تصنیف میں ان سے کوئی روایت قبول نہیں کی ہے اور نہ ان کا تذکرہ کیا ہے۔ محض اس لئے کہ حضرت ابان داماد رسولؐ خلیفہ راشد امام مظلوم حضرت عثمان شہید فی سبیل اللہ کے بیٹے تھے (اللہ اکبر کس قدر احتیاط ملحوظ رکھی) بہرحال ان اقتباسات سے حسب ذیل حقائق اظہر من الشمس ہیں

۱۔ مرحب کو حضرت علیؓ نے قتل نہیں کیا بلکہ حضرت محمد ابن مسلمہؓ نے قتل کیا۔

۲۔ حضرت علیؓ نے خیبر کے قلعوں میں سے ایک قلعہ فتح کیا تھا۔

۳۔ عبداللہ بن الحسن والی روایت جس کی رو سے حضرت علیؓ نے کواڑ سے ڈھال کا کام لیا نہ اصول روایت کے اعتبار سے قابل اعتبار ہے اور نہ اصولِ درایت کے لحاظ سے لائق قبول ہے۔ اصول روایت کی رو سے اس لئے نہیں کہ عبداللہ بن الحسن نے یہ نہیں بتایا کہ یہ داستان میں نے کس سے سنی۔ تمام محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس روایت کے راویوں میں سے کوئی راوی مجہول الاسم ہو یعنی اس کا نام معلوم نہ ہو تو وہ روایت قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اور اصول درایت کی رو سے اس لئے نہیں کہ جب حضرت علیؓ کے ہاتھ سے ڈھال گر پڑی تو عقل یہ کہتی ہے کہ انہیں دوڑ کر اپنی ڈھال اٹھا لینی چاہیے تھی نہ یہ کہ وہ ڈھال کو چھوڑ کر اس کواڑ کو اٹھانے جاتے جو قلعے کے پاس پڑا ہوا تھا۔ یہ بات اس وقت قابل قبول ہوتی جب راوی یہ واضح کر دیتا کہ ڈھال بہت دور مثلاً پچاس قدم پر تھی اور دروازہ یا کواڑ بہت نزدیک تھا۔ علاوہ بریں دنیا میں آج تک کوئی دروازہ یا کواڑ ایسا نہیں بنایا گیا جو ڈھال کا کام دے سکے۔ ڈھال اور دروازے میں دور کی مناسبت بھی نہیں ہے۔

۴۔ مرحب سے حضرت علی کی جنگ کا افسانہ دوسری صدی میں یعنی ابن اسحٰق کی زندگی میں وضع نہیں کیا گیا۔ ورنہ ابن اسحٰق جس نے دروازے کا افسانہ درج کر دیا اس افسانے کو یقیناً زینت کتاب بناتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مرحب سے حضرت علیؓ کی جنگ کا افسانہ تیسری صدی میں وضع کیا گیا اور جس طرح بہت سی غلط روایات سبائیوں کی تدسیس سے اہل سنت کی کتابوں میں راہ پا گئیں یہ افسانہ بھی ان کی کتابوں میں جگہ پا گیا۔ فی الجملہ سیرۃ کی قدیم ترین کتاب کی رو سے بالکل واضح ہے کہ مرحب کو محمد ابن مسلمہؓ نے قتل کیا تھا لیکن افسانہ طرازوں نے مرحب اور حضرت علیؓ کے مابین فرضی قتال کو جس رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس کی تفصیل کیلئے میں البدایہ والنہایہ مؤلفہ امام ابن کثیر دمشقی المتوفی ۷۷۴ھ سے ضروری اقتباسات ذیل میں درج کرتا ہوں۔

۱۔ حافظ البزار نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یوم خیبر میں پہلے ابو بکرؓ اور پھر عمرؓ کے بھیجنے اور اس کے بعد علیؓ کے ہاتھ پر فتح ہونے کا جو قصہ ہے۔ اس کے سیاق میں غرابت اور نکارت ہے اور اس کی اسناد میں ایک شخص ایسا بھی ہے جو متہم بالتشیع ہے۔

۲۔ روایت کی موسیٰ ابن عقبہ نے زہری سے کہ تحقیق جس نے قتل کیا مرحب کو وہ محمد بن مسلمہؓ تھے اور یہی کہا ہے محمد ابن اسحٰق نے بروایت جابر ابن عبد اللہ کہ نکلا مرحب الیہودی خیبر کے قلعے سے یہ رجز پڑھتا ہوا "قد علمت خیبر انی مرحب"۔ تو آں حضرتؐ نے کہا "اس کا مقابلہ کون کرے گا"۔ محمد ابن مسلمہ نے کہا "میں کروں گا" فضربہ محمد ابن مسلمہ حتیٰ قتلہ پس تلوار ماری ابن مسلمہ نے یہاں تک کہ قتل کر دیا اُس کو (یعنی مرحب کو) صہ ۱۸۹ ج ۴

۳۔ کہا یونس نے ابن اسحٰق سے کہ روایت ہے کہ مجھ سے کہا میرے خاندان کے ایک شخص نے کہ اس نے سنا تھا نافع مولیٰ رسول اللہؐ سے کہ ہم نکلے علیؓ کے ساتھ جب بھیجا ان کو رسول اللہ نے اپنا جھنڈا دے کر جب ہم قلعے کے پاس پہنچے تو اہل قلعہ مقابلہ کے لئے نکلے۔ ایک یہودی کی ضرب سے علیؓ کی ڈھال ان کے ہاتھ سے گر پڑی تو قلعے کے دروازے کو ڈھال بنایا یہاں تک کہ قلعہ فتح ہو گیا... میرے ساتھ سات آدمی اور تھے میں آٹھواں تھا مگر ہم سے دروازہ پلٹا نہ جا سکا"

اس افسانے پر ابن کثیر نے یہ تنقید کی ہے۔ وَفِي هٰذَا الْخَبَرِ جَهَالَةٌ وَانْقِطَاعٌ ظَاهِرٌ یعنی اس روایت میں جہالت بھی ہے اور انقطاع ظاہر بھی ہے (یعنی بیچ کا راوی غائب ہے۔ پھر لکھتے ہیں۔

۴۔ حاکم اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ اس دروازے کو چالیس آدمی بھی مل کر نہ اٹھا سکے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ روایت بھی ضعیف (ناقابل اعتبار) ہے۔

۵۔ جابر سے روایت ہے کہ ستر آدمیوں نے اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ روایت بھی ضعیف (ناقابل اعتماد) ہے (صہ ۱۹۰ ج ۴)

۶۔ الواقدی نے بھی جابر سے یہی روایت کی ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہؓ نے قتل کیا تھا"
(صفحہ ۱۸۹ ج ۴)

اختصار بقدر ضرورت از البدایہ والنہایہ ابن کثیر جلد چہارم صفحات ۱۸۷ تا ۱۹۰
مطبوعہ مصر ۱۹۳۲ء۔

بوجہ طوالت میں ان موضوع روایتوں کو نقل نہیں کر سکتا جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مرحب کو حضرت علیؓ نے قتل کیا تھا۔ میرا مقصد صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ مرحب کو محمد ابن مسلمہؓ نے قتل کیا تھا نہ کہ حضرت علیؓ نے۔ الحمد للہ کہ میں نے اس بات کو بخوبی یعنی ابن اسحٰق کی گواہی سے ثابت کر دیا جو شیعہ تھا۔ لہٰذا وہ تمام افسانے جو مرحب اور حضرت علیؓ کی اس فرضی جنگ کے سلسلے میں تصنیف کئے گئے ہیں۔ خود بخود باطل اور بے اصل و بے بنیاد قرار پاتے ہیں۔ یہ روائتیں جیسا کہ محدثین اور محققین، مثلاً علامہ سخاوی نے لکھا ہے سراسر لغو ہیں۔ (سیرۃ النبی شبلی نعمانی جلد اوّل صفحہ ۴۸۸)

چونکہ میں تصوّف کی تاریخ لکھ رہا ہوں نہ کہ تدسیسِ سبائیہ و باطنیہ کی تاریخ اس لئے انہی چند مثالوں پہ اکتفا کرتا ہوں۔ اس کے بعد اہل سنت صوفیوں کی تصانیف سے ایسے اقوال پیش کروں گا جو اہل سنت کے معتقدات کے خلاف ہیں لیکن ان صوفیوں نے سبائیت اور باطنیت سے متاثر ہو کر ان کو قبول کر لیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خود بھی گمراہ ہو گئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔

ان صوفیوں کی کمزوری یہ تھی کہ یہ لوگ نہ محدّث تھے نہ مورخ تھے۔ اس پہ مستزاد یہ امر ہوا کہ ان لوگوں کے نزدیک تحقیق و تدقیق و تنقید۔ یہ سب باتیں سوء ادب میں داخل ہو گئی تھیں۔ جنیدؒ کا تصوف یہ تھا کہ "ہم ہر بات کو قرآن اور سنت کی کسوٹی پر آزما کر دیکھیں گے اگر کوئی بات کتاب و سنت کے خلاف ہو گی۔ فھو مردود"

لہ خدا کا شکر ہے کہ منہ کے متبرک عدد پر حاملین باب خیبر کی تعداد کا اختتام ہو گیا۔ واضح ہو کہ سات چالیس اور ستر کا شدید اختلاف کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔

خواہ وہ کسی کی زبان سے نکلی ہو لیکن نویں صدی ہجری میں باطنیہ کی مساعی قبیحہ سے سُنّی صوفیوں کی ذہنیت یہ ہوگئی تھی کہ وہ قول کے حسن و قبیح کے بجائے قائل کو دیکھنے لگے تھے۔ مثلاً ایک روایت خواہ کتنی ہی خلاف عقل و نقل کیوں نہ ہو اگر وہ کسی بزرگ سے منسوب ہے تو محض اس سے نسبت کی وجہ سے قابل اعتماد قرار پاجائے گی اور اس میں تحقیق یا اس پر تنقید کو سوء ادب سمجھا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کی کتابوں میں صدیوں سے غلط روایات نقل ہوتی چلی آرہی ہیں اور آج کسی میں یہ اخلاقی ہمت نہیں ہے کہ انہیں غلط کہہ کر اپنی مرجعیت اور مقبولیت سے دستبردار ہو جائے۔

باطنیت

گمراہی کے دروازوں میں سے سب سے زیادہ خطرناک اور مضرت رساں دروازہ جو باطنیہ نے کھولا وہ یہ تھا کہ ہر لفظ کے ایک ظاہر معنی ہوتے ہیں اور ایک حقیقی یا باطنی۔ انہوں نے الفاظ کے اس باطنی پہلو پر اس قدر زور دیا کہ ان کا اصلی نام اسمٰعیلیہ غیر معروف ہوگیا اور وہ باطنیہ کے نام سے مشہور ہوگئے۔ بہرکیف انہوں نے کہا کہ اسی طرح قرآن و حدیث کے الفاظ کے بھی دو دو معنی ہیں ایک ظاہری دوسرے باطنی اور ان کو آپس میں وہی نسبت ہے جو پوست (ظاہر) کو مغز سے ہے۔ جہلاء صرف ظواہر (ظاہری معنی) سے آگاہ ہیں۔ حقائق یا باطنی معانی کو صرف اہل اسرار جانتے ہیں۔ جو شخص ظواہر میں گرفتار ہے وہ شریعت کی پابندیوں میں جکڑا ہوا ہے اور دین کی نہایت نیچی سطح پر ہے جو شخص اہل باطن کی صحبت میں رہ کر حقائق سے آشنا ہو جاتا ہے وہ شریعت کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کی اس آیت کا یہی مفہوم ہے وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔ یعنی رسول اس بوجھ سے نجات دلاتا ہے جس کے تلے وہ (عوام) دبے ہوئے تھے اور وہ طوق اتارتا ہے جو اُن کی گردنوں میں پڑے

تبیئے بھتے (۷۔ ۱۵۷)

باطنیہ نے اپنی اس بنیادی تعلیم کو عوام کے سامنے صوفی بن کر پیش کیا۔ رفتہ رفتہ جاہل صوفیوں نے پہلے ظاہر اور باطن کی تفریق کا اصول اختیار کیا پھر اس کے منطقی نتیجے کو بھی قبول کر لیا یعنی انھوں نے شریعت اور طریقت میں تفریق کر دی اور کہنے لگے کہ شریعت کا حکم کچھ اور ہے اور طریقت کا حکم کچھ اور ہے۔ آخر کار انھوں نے باطنیہ کی اس تعلیم کو بھی تسلیم کر لیا کہ جب سالک کو معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ قیدِ شریعت سے آزاد ہو جاتا ہے اور اپنے اس باطل عقیدے پر اس آیت سے استدلال کیا وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ اور اس کا ترجمہ اس طرح کیا صرف اس وقت تک اپنے رب کی عبادت کر جب تک تجھے یقین حاصل نہ ہو جب معرفت یا یقین حاصل ہو جائے تو اتباعِ شریعت کی حاجت نہیں ہے۔

باطنیہ نے اس طرح لاکھوں مسلمانوں کو گمراہ کر دیا۔ عوام کے پاس کوئی آلہ یا معیار نہ اس وقت تک تھا نہ اب ہے نہ آئندہ کبھی ہو گا جس کی مدد سے وہ یہ معلوم کر سکتے کہ یہ شخص جو ظاہر میں صوفیوں کا لباس پہنے ہوئے بیٹھا "تصوف کے اسرار و رموز" بیان کر رہا ہے۔ باطن میں کیا ہے؟ اگر کسی عامی نے اعتراض بھی کیا کہ یہ قول قرآن یا حدیث کے خلاف ہے تو معتقدین نے اسے گستاخ قرار دے کر مجلس سے باہر نکال دیا۔ قصہ ختم شد۔

میں نے یہ صراحت اس لیئے کی کہ آج بیسویں صدی میں بھی سنی عوام کے دلوں میں جو یہ تفریق جاگزین ہے اور وہ اپنے "بزرگوں" کی خلافِ شرع باتوں پر اعتراض نہیں کرتے بلکہ ان کو از قبیل رموز و اسرارِ طریقت سمجھتے ہیں، یہ تفریق عبداللہ بن سبا کے متبعین کی پیدا کردہ ہے اور بیس سال کے مطالعہ کے بعد میرا پختہ عقیدہ یہ ہے کہ سبائیت اور اس کی نکھری ہوئی صورت یعنی باطنیت دراصل نبوت و رسالتِ محمدی کے خلاف ایک بغاوت یا باغیانہ تحریک تھی۔ یعنی ولایت کے پردے میں نبوت کی تحقیر و تذلیل۔ ثبوت ملاحظہ ہو۔

اقتباس از ولایت نامہ تالیف سلطان العارفین و برہان الواصلین مولا الشہید الحاج ملا سلطان محمد گنا بادی۔ سلطان علی شاہ چاپ دوم۔ چاپخانہ دانش گاہ تہران سنہ ۱۳۸۵ قمری ص ۳۵

"قبول رسالت بیعت کردن است بر قبول احکام ظاہری، و قبول ولایت بیعت کردن است بر قبول احکام باطنی۔ اول را اسلام و ثانی را ایمان می گویند و چوں قبول رسالت بجہت وصول بسوئے ولایت است کہ فرمود و لٰکِنَّ اللّٰہَ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدٰکُمْ لِلْاِیْمَانِ (۴۹۔۱۷) و فرمود اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ (۵۔۶۷) یعنی رسالت تو مقدمہ ولایت علی علیہ السلام است اگر تبلیغ ولایت نہ کردی و بیعت بولایت علی نگرفتی ہیچ تبلیغ رسالت نہ کردہ کہ مقدمہ بدون ذی مقدمہ وجودش با عدم مساوی است و بملاحظہ حیثیت رسالت و ولایت نسبت بحدیث دادہ شد کہ لَوْلَا عَلِیٌّ لَمَا خَلَقْتُکَ (انتھی بلفظہٖ)

میں نے یہ زحمت نقل اس لئے گوارا کی ہے کہ اگر میں اس عبارت کا اردو ترجمہ درج کر دیتا تو بعض قارئین ضرور دل میں کہتے کہ مصنف نے یہ باتیں نہیں لکھی ہونگی مترجم سے ترجمہ کرنے میں غلطی ہو گئی یا مفہوم تک اس کی رسائی نہ ہو سکی لیکن ان لوگوں کی خاطر جو عربی اور فارسی نہیں جانتے اس کا مطلب ذیل میں درج کئے دیتا ہوں۔

۱۔ مصنف کی نقل کردہ پہلی آیت قرآن مجید میں یوں ہے بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدٰکُمْ لِلْاِیْمَانِ ۵ یعنی بلکہ اللہ احسان رکھتا ہے اوپر تمہارے یہ کہ ہدایت کی تم کو طرف ایمان کے (۴۹۔۱۷)

۲۔ قبولِ رسالت کا معنیٰ ہے بیعت کرنا۔ احکامِ ظاہری کے قبول کرنے پر۔

۳۔ قبولِ ولایت کا معنیٰ ہے بیعت کرنا۔ احکامِ باطنی کے قبول کرنے پر

(یعنی رسالت کا تعلق احکامِ ظاہری سے ہے اور ولایت کا تعلق احکامِ باطنی سے ہے۔ یہی تعلیم باطنیہ نے دی تھی یعنی احکامِ ظاہری اور باطنی کی تفریق جس سے شریعت اور طریقت میں تفریق پیدا ہو گئی اور امت میں تفرقہ

رونما ہوگیا۔

۴۔ رسالت محمدی کو قبول کرنا اسلام ہے۔ ولایت علی کو قبول کرنا ایمان ہے۔

۵۔ اے رسول اگر تو نے ایسا نہ کیا پس نہ پہنچایا تو نے پیغام اُس (اللہ) کا (۵-۶۷)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد تیری رسالت، مقدمہ ہے۔ ولایت علی کا۔ اگر تو نے ولایت کی تبلیغ نہیں کی اور ولایت کی بیعت نہیں لی تو رسالت کی تبلیغ بالکل نہیں کی کیونکہ مقدمہ اگر ذی المقدمہ کے بغیر ہو تو اس کا وجود اور عدم دونوں مساوی ہیں۔

۶۔ رسالت اور ولایت کی حیثیت کو مدنظر رکھ کر اس حدیث سے نسبت دی گئی کہ اگر علی (پیدا) نہ ہوتا تو اے محمد میں تجھے (بھی) پیدا نہ کرتا۔

اس عبارت پر راقم الحروف کو بارائے تبصرہ ہے نہ حوصلہ تنقید صرف دو تین باتوں پہ اکتفا کرتا ہے۔

ا۔ اس عبارت سے ثابت ہوا کہ ولایت، نبوت سے افضل ہوتی ہے۔ کیونکہ ایمان، بہرحال افضل ہے اسلام سے۔

ب۔ جب تک ایک شخص، ولایتِ علیؓ پر ایمان نہ لائے، مومن نہیں ہو سکتا۔

ج۔ رسالتِ محمدی کی بذات خویش کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور نہ مقصود بالذات ہے بلکہ وہ مقدمہ ہے ولایتِ علی کا اور اس لئے منطقی طور پر مقصود بالعرض ہے

د۔ رسالت ذریعہ یا واسطہ ہے حصول مقصد کا اور وہ مقصد ہے "گرفتن بیعت ولایت علی" اور یہ بات محتاج ثبوت نہیں ہے کہ ذی واسطہ یا مقصد، واسطے یا وسیلے سے افضل ہوتا ہے اس لئے ولایت افضل ہے، رسالت سے یعنی صاحب ولایت افضل ہے صاحب رسالت سے بالفاظ واضح تر حضرت علیؓ افضل ہیں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

۷۔ قرآن سے تو یہ معلوم ہے کہ بعثتِ رسول کا مقصد یہ ہے کہ وہ دین الحق (اسلام) کو تمام ادیان عالم پر غالب کر دے۔ کما قال اللہ عزوجل هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ

بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ اللہ وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ساتھ ہدایت اور دین حق کے تاکہ وہ اس کو غالب کر دے سب دینوں پر۔

لیکن سلطان العارفین فرماتے ہیں کہ اللہ نے رسول کو اس لئے بھیجا کہ وہ حضرت علیؓ کی ولایت پر لوگوں سے بیعت لے اور اگر وہ ایسا نہیں کریگا تو اس کا وجود اور عدم دونوں برابر ہو جائیں گے۔

یہ وہ نکتہ ہے جس میں فہم سرگردان ہے اور عقل حیران ہے۔

اگر اس جگہ یہ اعتراض کیا جائے کہ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ کا ترجمہ تو یہ ہوگا کہ "اے رسول پہنچا دے (لوگوں کو) جو کچھ اتارا گیا ہے تیری طرف تیرے رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو نے تو نہ پہنچایا پیغام اس کا" اب نہ تو ان دونوں جملوں میں حضرت علیؓ کا اسم گرامی آیا ہے اور نہ سارے قرآن میں کہیں ان کا نام آیا ہے[1] نہ ان آیتوں سے پہلے ان کا تذکرہ ہے۔ اور نہ ان کے بعد ان کا تذکرہ ہے۔ پس اندریں صورت ان دو آیتوں سے حضرت علیؓ کا تعلق کیسے ثابت ہو سکتا ہے۔ تبلیغ کا مطلب تبلیغ ولایت و بیعت گرفتنِ ولایتِ علیؓ کیسے ہو سکتا ہے مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ کا مصداق تو قرآن ہے کیونکہ وہی آنحضرت پر بواسطہ جبریل نازل ہوتا رہا۔ تو مطلب یہ ہوا

[1] اللہ کو بخوبی معلوم تھا کہ عبداللہ ابن سبا، اسلام میں شخصیت پرستی کا فتنہ پیدا کرے گا۔ اس لئے اس نے قرآن میں صرف ان دو آدمیوں کا ذکر ان کا نام لے کر کیا (ابو لہب۔ ۲۔ زید) جن کے بارے میں اسے علم تھا کہ سبائی ان ناموں کو استعمال نہیں کریں گے۔ اللہ نے اس باب میں اس قدر احتیاط ملحوظ فرمائی کہ ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ کو یار غارؓ کے نام پر ترجیح دی۔ یعنی چھ الفاظ استعمال کئے گئے مگر ایک لفظ ابو بکرؓ نہ فرمایا لیکن یہ چھ الفاظ ہیں ایسے کہ سبائی بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ثانی سے حضرت ابو بکرؓ ہی مراد ہیں۔ ثانی کی تاثیر دیکھئے کہ صدیق اکبرؓ ہر بات میں ثانی ہیں چنانچہ اقبال مرحوم نے لکھا ہے:

ہمّت او کشت ملّت را چو ابر ثانیِ اسلام و غار و بدر و قبر

کہ قرآن لوگوں کو پہنچا اور اسی قرآن کی طرف لوگوں کو دعوت دے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو ظاہری معنی ہیں۔ لیکن سلطان العارفین نے اس کے باطنی معنی بیان کئے ہیں جو صرف "اہل اسرار" پہ منکشف ہوتے ہیں۔ صرفیوں اور نحویوں کی رسائی اس مقام تک نہیں ہو سکتی۔

باطنی معنی نکالنے کے لئے قرآن کے ظاہری الفاظ کی تاویل اس طریقے اور اس انداز سے کرنا کہ صرف، نحو، معانی، بیان، عقل اور خرد سب کا خاتمہ ہو جائے اور پڑھنے والا وادیٔ حیرت میں گم ہو جائے۔ باطنیہ کا سب سے بڑا احسان ہے۔ امت محمدی پر جس کا اندازہ یہ امت ابھی تک نہیں لگا سکی ہے یہ فتنہ رومی کے زمانے میں اپنے شباب کو پہنچ چکا تھا۔ اس لئے انھوں نے مسلمانوں کو اس طرح متنبہ کیا ہے۔

می کنی تاویل حرف بکر را   خویش را تاویل کن نے ذکر را

میرا خیال ہے کہ آیت زیر بحث کے جو معنی "برہان الواصلین" نے بیان کئے ہیں۔ وہ رسول تو کیا خدا کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آئے ہوں گے۔ شاید اقبال نے اسی قسم کی تاویلاتِ باطلہ کے نمونے دیکھ کر یہ قطعہ کہا ہوگا۔

ز من بر صوفی و ملا سلامے   کہ پیغام خدا گفتند ما را
ولے تاویلِ شاں در حیرت انداخت   خدا و جبریل و مصطفےٰ را!

باطنیہ کی اسی تدسیس کی بدولت صحیح اسلامی (قرآنی) تصوف کی ساتویں صدی ہجری میں ایسی قلب ماہیت ہو چکی تھی کہ تصوف اور تشیع مترادف الفاظ بن گئے تھے چنانچہ حیدر علی آملی صاحب تفسیر بحر الاسجار نے لکھا ہے۔

"تصوف طریقہ مرتضوی است و تصوف و تشیع یک معنی دارد"

(ماخوذ از اصول تصوف مولفہ ڈاکٹر احسان اللہ استخری صنہ ۲)

یہی مؤلف ولایت کی بحث میں لکھتا ہے:۔

"ولایت از آنِ خدا است و بر آں ایں آیت شاہد است هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ"

(۱۰۵۰ ۱۴۴ھ) از خدا مصطفیٰ دریں حقیقت جامعیت است، علی و فاطمہ تا حضرت قائم ثانی عشر، یک پایہ و دارئے یک مایہ اند چنانچہ رسول فرمود (ا) اول ما خلق اللہ نوری (ب) انا و علی من نور واحد۔ شاعرے ایں حدیث را چنیں نظم کردہ است (اصول تصوف مؤلفہ ڈاکٹر احسان اللہ استخری صـ۶۹)

علی و مصطفیٰ ہیچو دو دیدہ ! زیک نور جلیل اند آفریدہ

مقصود ان تصریحات سے یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں نقشبندی سلسلے کے علاوہ جس قدر سلسلے سنیوں میں پائے جاتے ہیں، سب میں کم و بیش یہی عقائد مسلّم اور مقبول ہیں سنی عوام کا تو ذکر ہی کیا ہے خواص بھی حضرت علیؓ کے بارے میں یہی عقائد رکھتے ہیں۔ بلکہ بوقت حاجت رسول کے بجائے انہی کو پکارتے ہیں اور کیوں نہ پکاریں جب وہ اپنے بزرگان سلسلہ کی تصانیف میں یہ پڑھتے رہتے ہوں کہ جنگ تبوک میں خود آنحضرتؐ نے "مولا علی" کو پکارا تھا

اسی لئے عصر حاضر کے مصری محقق ڈاکٹر ذکی مبارک کو یہ کہنے کا موقع مل سکا۔

والواقع ان الصلۃ بین التشیع والتصوف فعلیٌّ ھو معبود الشیعۃ و امام الصوفیہ

(التصوف الاسلامی مؤلفہ ڈاکٹر ذکی مبارک جلد دوم صـ۲۳)

لہ مصنف نے اس آیت سے جو استدلال کیا ہے وہ سراسر غلط ہے بلکہ قرآن پر ظلم عظیم ہے مصنف اتنی عربی ضرور جانتا ہوگا کہ وِلَایۃ اور وَلَایۃ میں فرق کر سکے مگر اس نے دانستہ تحریف معنوی سے کام لیا۔ تاکہ وہ یہ کہہ سکے کہ اس آیت کی رو سے "ولایت از آن خداست" اس آیت کا یہ مطلب اور معنی ہرگز نہیں ہیں۔ دلائل یہ ہیں:۔

(۱) آیت میں لفظ وَلَایَۃ ہے نہ کہ وِلَایَۃ اور ان دونوں لفظوں میں بہت فرق ہے۔ وَلَایۃ (واؤ پر زبر کے ساتھ) کا معنی ہے۔ نصرت یا مدد یا کارسازی۔ وِلَایَۃ (واؤ کے نیچے زیر) کا معنی ہے۔ حکومت یا اقتدار یا ملک (دیکھو زمخشری)

(۲) اس آیت کے سیاق و سباق سے ثابت ہے کہ یہاں ولایت مزعومہ و مفروضہ کا قطعاً ذکر نہیں بلکہ میں قارئین کی آگاہی کے لئے اس بات کا اضافہ کرتا ہوں کہ پورے قرآن میں ولایت

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مزعومہ کا کہیں تذکرہ نہیں ہے۔ اللہ کو معلوم تھا کہ سبائی حضرت علیؓ سے ولایت کو منسوب کرکے انہیں رسول سے بھی بڑھادیں گے۔ اس لئے اللہ نے دو جگہ لفظ دلایۃ تو استعمال کیا ہے (دیکھو ۲۰۸، مَالَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ۔ الخ) مگر لفظ ولایۃ کہیں استعمال نہیں کیا قرآن میں نہ کہیں لفظ علی (اسم زوج فاطمہ) آیا ہے نہ لفظ ولایت آیا ہے اور نہ ولایت علی کا کوئی تذکرہ ہے ہر مومن متقی اللہ کا ولی (دوست) ہے اور اللہ اس کا ولی (دوست) ہے۔ باز آمدم برسرِ مطلب آیت زیر بحث سے پہلے اللہ نے دو آدمیوں کی مثال بغرض تذکیر بیان کی ہے جن میں سے ایک کو اللہ نے باغ اور دولت دی جس پر اس نے تکبر کیا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے اسے ان نعمتوں سے محروم کردیا اس نے کہا یَالَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّیْٓ اَحَدًا پھر آگے آیت میں اللہ فرماتا ہے کہ کوئی جماعت اسے مدد نہ دے سکی اور نہ وہ خود بدلہ لے سکا۔ اس کے بعد یہ آیت ہے کہ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ یعنی حقیقت یہ ہے کہ حکمرانی، کارسازی اور نصرت یہ ساری باتیں صرف اللہ کیلئے ثابت ہیں جو الحق یعنی سچا اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

اب قارئین خود ہی فیصلہ کرلیں کہ اس آیت کو سبائیوں کی موہومہ ولایت سے کیا تعلق ہے لیکن اس فرقے نے باطنی مفہوم مستخرج کرنے کے لئے پہلے تاویل کا دروازہ کھولا۔ پھر تاویل کے ذریعے سے پورے قرآن کو بازیچۂ اطفال بنادیا۔ اس کی مثالیں سبائیہ باطنیہ قرامطہ کے لٹریچر سے بآسانی مل سکتی ہیں تفصیل کے لئے دیکھو "قواعد آل محمد (باطنیہ) تالیف محمد بن حسن الایلمی یمانی زمانہ تصنیف ۷۴۰ھ صہ ۱۰۸" مثلاً طہارۃ سے مراد ہے مذہب باطنی کے علاوہ ہر مذہب سے برأۃ زنا سے مراد ہے علم باطن کے نطفے کو کسی ایسی ہستی کی طرف منتقل کرنا جو عہد میں شریک نہ ہو۔ روزے سے مراد ہے افشائے راز سے پرہیز کرنا۔ نماز سے مراد ہے امام وقت کی طرف لوگوں کو دعوت دینا تیمم سے مراد ہے ماذون سے علم حاصل کرنا حج سے مراد ہے اس علم کا طلب کرنا جو منزل مقصود ہے۔ زکوٰۃ سے مراد ہے اہل استعداد میں اشاعت علم کرنا۔

(منقول از تاریخ دعوت وعزیمت مؤلفہ مولانا ابوالحسن علی ندوی صہ ۱۰۸)

باطنیت کے اثرات تصوف پر

اب ناظرین خود غور کر لیں کہ جن لوگوں (باطنیہ) نے قرآن کے ساتھ یہ تلعب (کھیل) کیا، انہیں اسلامی تصوّف کو کفر و شرک کا ملغوبہ بنا دینے میں کیا تامل ہو سکتا تھا۔ ان کو تو اہل سُنّت کو گمراہ کرنا تھا چونکہ تصوّف کی راہ سے گمراہی کی اشاعت آسان ترین تھی اور کامیابی یقینی تھی اس لئے انہوں نے اسلامی تصوف ہی کو خاص طور سے ہدفِ تدبیس و تلبیس و تحریف بنایا اور جھوٹی روایتوں کو سنی صوفیوں کے دماغوں میں اس طرح جاگزیں کر دیا کہ اکثر نے انہیں بلا تحقیق قبول کر لیا اور ان روایتوں کے زیر اثر اکثر صوفیوں کے عقیدے، اہل سنت کے مسلّمہ عقائد سے مختلف ہو گئے بلکہ وہ بعض عقائد میں سبائیوں کے ہمنوا ہو گئے۔ اس کی چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں (واللہ المستعان)

(۱) عزّالدین محمود بن علی کاشانی متوفی ۷۳۵ھ نے تصوّف میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام ہے "مِصْبَاحُ الْهِدَايَةِ وَمِفْتَاحُ الْكِفَايَةِ" اس کو پروفیسر جلال الدین ہمائی کے مقدمے اور تعلیقات کے ساتھ، کتاب خانہ سنائی نے طہران سے شائع کیا ہے۔ پروفیسر مذکور نے اپنے مقدمے کا آغاز اپنی مخصوص ذہنیت کی بناء پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بجائے "بنامِ خداوند بخشندۂ بخشائش گر مہربان" سے کیا ہے، حالانکہ ہر عالم جانتا ہے کہ لفظ "خداوند" "اللہ" کے مفہوم کو ادا نہیں کر سکتا۔

چونکہ کاشانی نے یہ کتاب شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی عوارف المعارف کو سامنے رکھ کر لکھی ہے اس لئے بعض لوگوں کو یہ مغالطہ لاحق ہو گیا کہ یہ کتاب اس کا ترجمہ ہے چنانچہ نولکشوری نسخے میں اسے ترجمہ ہی لکھا گیا ہے۔

چونکہ کاشانی بباطن شیعہ ہے (جیسا کہ آگے چل کر واضح کروں گا) اس لئے مقدمہ نگار

نے اس کی خدمت میں خراج تحسین پیش کیا ہے چنانچہ پروفیسر ہمائی اپنے مقدمے میں خود لکھتا ہے:۔

ا۔ وہ ہر جگہ آل محمد پر صلوات کو، محمد پر صلوات کی ردیف قرار دیتا ہے۔ مثلاً دیکھو دعائے بعد از طعام صفحہ ۲۰۲ الحمد للہ الذی اطعمنا ھذا ورزقناہ من غیر حول منا اللھم صل علی محمد وال محمد (انتھی بلفظہ) صفحہ ۲۰۲

ب۔ آیتِ نجویٰ کے بارے میں وہ شیعہ کی طرح یہ روایت کرتا ہے کہ علی علیہ السلام کے علاوہ کسی نے اس آیت پر عمل نہیں کیا اور اس طرح موافق منافق سے ممتاز ہو گیا صفحہ ۲۲۴

ج۔ ایک جگہ وہ یہ بات بھی نقل کرتا ہے کہ علی علیہ السلام نے عمرؓ کو نصیحت کی تھی صفحہ ۲۰۵

د۔ وہ علی علیہ السلام کو دوسرے صحابہ پر ترجیح و تفضیل دیتا ہے اور اپنے باطن میں ان کو تمام صحابہ سے زیادہ دوست رکھتا ہے لیکن اس کے اظہار کو واجب نہیں جانتا صفحہ ۴۸

(مقتبس از مقدمہ صفحہ ۴۴، ۴۵)

پروفیسر ہمائی کی یہ تصریحات میرے دعوے کے اثبات کے لئے بالکل کافی ہیں کہ کاشانی باطن شیعہ ہے تاہم اس نے صفحہ ۴۶ پر جو غلط بیانی کی ہے اسے نقل کرنے کے بعد اس کی تردید کرنی مناسب ہے تاکہ جو سُنی اس کی کتاب میں یہ عبارت پڑھیں وہ گمراہی سے محفوظ رہ سکیں۔

مصنف نے از راہ تقیہ صفحہ ۴۶ پر یہ لکھا ہے کہ "مومن حقیقی اس بات کو روا نہیں رکھ سکتا کہ اصحاب رسول پر قدح کرے کیونکہ انہوں نے رسول کی محبت میں مہاجرت کی اقارب سے جدائی اختیار کی اور اپنے اموال رسولؐ کے مبارک قدموں پر نثار کئے صفحہ ۴۶

اگرچہ کاشانی نے اس عبارت میں حضرات ابوبکر صدیقؓ و عمر فاروق اعظم اور عثمان غنیؓ کا نام لے کر تذکرہ نہیں کیا ہے تاہم اس عبارت سے یہ ضرور ثابت ہو گیا کہ اس کا لکھنے والا شاتم صحابۂ رسول نہیں ہے مگر اس فصل نہم کا آخری جملہ ایسا ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس کا لکھنے والا اہل سنت والجماعت میں سے نہیں ہے۔

"پس عقیدۂ صحیحہ سلیمہ یہ ہے کہ

ا۔ سب صحابہؓ کو دوست رکھے اور ان میں ایک کو دوسرے پر ترجیح و تفضیل سے اپنے آپ کو روکے۔

ب۔ اگر اس کے باطن میں فضیلت کی بنا پر کسی صحابی کی محبت راجح ہو جائے تو اس کو پوشیدہ رکھے۔ کیونکہ اس پر اس کا اظہار واجب نہیں ہے۔

ج۔ اُس مشاجرت کے باب میں جو امیرالمومنین علی علیہ السلام اور معاویہ کے درمیان واقع ہوئی ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ علی علیہ السلام اجتہاد خلافت میں محق اور مصیب تھے اور امر خلافت کی مباشرت کے لیے مستحق اور متعین تھے جبکہ معاویہ مخطی اور مبطل اور مذنب اور غیر مستحق تھے مَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا اس عبارت میں کاشانی اپنی اصلی شکل میں نمودار ہو گیا ہے۔ اس گروہ کا شروع ہی سے یہ طریقہ رہا ہے کہ جس صورت سے اور جس طرح ہو سکے اہل سنّت کو گمراہ کیا جائے۔

واضح ہو کہ یہ عقاید اہل سنت کے ہرگز نہیں ہیں۔ کاشانی نے ایک صوفی کے لباس میں اہل سنّت کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ذیل میں اہل سنت کا عقیدہ صحیحہ سلیمہ درج کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو رہا ہوں۔

۱۔ پہلی صدی ہجری سے تا ایندم تمام اہل سنت کا اجماعی اور متفقہ عقیدہ یہ رہا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ تمام صحابہ میں افضل و اکمل و اتقیٰ ہیں، بلکہ انبیاء کے بعد تمام روئے زمین کے انسانوں سے افضل ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

(ا) امام فخرالدین رازی، کتاب الاربعین میں صـ۴۶۷ پہ لکھتے ہیں مذهب اصحابنا ان افضل الناس بعد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم هو ابوبکر رضی اللّٰه عنه یعنی اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکرؓ سب انسانوں میں افضل ہیں۔

(ب) امام نجم الدین النسفی، عقائد النسفی میں لکھتے ہیں "ہمارے نبیؐ کے بعد تمام

انسانوں میں ابو بکرؓ افضل ہیں اور ان کے بعد عمر فاروقؓ (انگریزی ترجمہ شرح عقائد ص۱۷۱)

(ج) امام کمال الدین بن الہمام اپنی کتاب المسامرہ میں ص۳۱۲ پر لکھتے ہیں "صحابہ اربعہ یعنی الخلفاء کی فضیلت علیٰ حسب ترتیب فی الخلافت یہ ہے کہ پہلے ابو بکرؓ پھر عمرؓ" نیز ص۳۱۳ پر لکھتے ہیں کہ صحیح البخاری میں محمد ابن الحنفیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے باپ علیؓ سے پوچھا "ای الناس خیر بعد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم؟ فقال ابوبکر" یعنی رسول اللّٰہ کے بعد انسانوں میں کون افضل ہے؟ انہوں نے جواب دیا ابو بکرؓ۔

(د) مولانا محمد ادریس کاندھلوی عقائد الاسلام میں ص۲۰۵ پر لکھتے ہیں تمام اہل حق کا اس پر اجماع ہے کہ پیغمبروں کے بعد تمام انسانوں میں افضل اور بہتر اور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد امام برحق اور خلیفہ مطلق ابو بکر صدیقؓ ہیں۔ پھر ص۲۰۵ پر لکھتے ہیں "امام قرطبی نے بسند صحیح بیان کیا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ بعض لوگ مجھے ابو بکرؓ اور عمرؓ پر فضیلت دیتے ہیں۔ میں جسے فضیلت دینے والا پاؤں گا تو وہ مفتری ہے اور اسے وہی سزا دوں گا جو مفتری کی ہے۔

بخوف طوالت صرف ان چار شہادتوں پر اکتفا کرتا ہوں جو لوگ اس مسئلے کی تفصیل کے آرزومند ہوں وہ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی اور قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللّٰہ کا مطالعہ کریں۔ انہیں معلوم ہو جائے گا کہ پہلی صدی سے اس وقت تک تمام اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ افضل البشر بعد الانبیاء ہیں۔ آخر میں ایک غیر مسلم سرولیم میور کی شہادت درج کرتا ہوں تاکہ قارئین کو یہ معلوم ہو جائے کہ دراصل فضیلت وہ ہے جس پر اعدا بھی گواہی دینے پر مجبور ہوں۔

ولیم میور اپنی تالیف "الخلافۃ" میں لکھتا ہے:-

(ا) پیغمبر اسلام کی سچائی پر ایمان ابوبکرؓ کی طبیعت ثانیہ بن گیا تھا اور اب
جبکہ ان کے مرشدؐ کی وفات ہو چکی تھی، مرید نے اپنی زندگی ان کی آرزو کی تکمیل
کے لیے وقف کر دی۔ یہی جذبہ فدویت تھا جس نے ابوبکرؓ کی نرم اور مصالحت
نواز افتاد طبع میں اس قدر ہمت پیدا کر دی اور انہیں محمد (صلعم) کے تمام متبعین
(صحابہ) میں سب سے زیادہ سچا، سب سے ثابت قدم اور سب سے زیادہ ثابت العزم
بنا دیا۔ ؂

(ب) ابوبکرؓ کے دل میں ذاتی اعزاز کے حصول کی مطلق آرزو نہ تھی۔ اگرچہ انہیں
اقتدار اعلیٰ حاصل تھا لیکن انہوں نے اس اقتدار کو اسلام اور مسلمانوں کی بہبود
کے لئے استعمال کیا۔ لیکن ان کی طاقت اور سطوت کا سب سے بڑا راز صداقت رسولؐ
پر ایمان محکم میں مضمر تھا۔ چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ مجھے خلیفۃ اللہ مت کہو۔ میں تو
محض خلیفہ رسول ہوں۔ زندگی بھر ان کے سامنے صرف ایک ہی سوال رہا۔ یعنی
اس معاملے میں نبی نے کیا حکم دیا تھا یا وہ خود اس معاملے میں کیا کرتے؟
ساری عمر انہوں نے اس اصول سے بال برابر انحراف نہیں کیا۔ اسی جذبۂ فنائیت
کی بدولت انہوں نے فتنۂ ارتداد کا ایسی کامیابی سے قلع وقمع کر دیا۔ اگرچہ ان کا عہد حکومت
مختصر تھا مگر محمد (صلعم) کے بعد تمام صحابہ میں ابوبکرؓ سے بڑھ کر کوئی شخص اسلام کا محسن
نہیں ہے۔

"چونکہ پیغمبر اسلام پر ان کا ایمان راسخ بذات خود محمد (صلعم) کی سچائی کی زبردست
دلیل ہے۔ اس لئے میں نے ان کی زندگی اور سیرت کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے
اگر محمد (صلعم) اپنے دعوے میں سچے نہ ہوتے تو وہ کبھی ہرگز ابوبکر جیسے دانشور اور صاحب
عقل وخرد انسان کی رفاقت حاصل نہیں کر سکتے تھے۔" ؂

میں نے بھی میور کی کتاب سے یہ دو اقتباسات اس لئے تفصیل کے ساتھ نقل
کر دیئے ہیں کہ قارئین یہ اندازہ کر سکیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی زندگی اور سیرت دونوں
اس قدر شاندار، ارفع، پاکیزہ اور بے عیب ہیں کہ ایک غیر مسلم بھی جو نہ اسلام کا دوست

ہے، نہ مسلمانوں کا خیر خواہ ہے، ان کی تعریف وتحسین پر مجبور ہے بلکہ انہیں تمام صحابہ میں سب سے زیادہ مخلص، سب سے زیادہ راست باز، سب سے زیادہ ثابت قدم قرار دیتا ہے انہیں اور رسولؐ اسلام کا سب سے بڑا محسن سمجھتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ انہیں تمام صحابہؓ میں سرکار دو عالم صلعم کا سب سے بڑا فدائیؐ، سب سے بڑا عاشق اور سب سے بڑا متبع یقین کرتا ہے۔ بالفاظ دگر اہل سُنت کی طرح انہیں تمام صحابہؓ میں افضل اور اکمل جانتا ہے اور ان سب باتوں سے بلند تر بات یہ ہے کہ ابوبکرؓ کے ایمان اور خلوص کو خود انؓ کے آقا اور مولی صلعم کی صداقت کی دلیل گردانتا ہے۔

شاید ہی کسی غیر مسلم نے میوٗر سے بڑھ کر صدیق اکبرؓ کے مقام رفیع کو پہچانا ہو۔
میں نے بدلائل عقلیہ وشواہد نقلیہ یہ بات واضح کر دی کہ کاشانی نے جو یہ بات لکھی ہے کہ صحابہؓ میں کسی کو کسی پر ترجیح نہ دے' سراسر گمراہی اور بطالت ہے اور اہلِ سنت کے اجماعی عقیدے کے خلاف ہے، اسی ایک بات سے ثابت ہو گیا کہ کاشانی اہل سنت والجماعت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ علامّ الغیوب تو صرف خدا ہے ہم تو ظواہر ہی پر حکم لگا سکتے ہیں کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(۲) پھر کہتا ہے کہ "اگر کسی صحابی کی محبت راجح ہو جائے تو اسے پوشیدہ رکھے"۔ یہ بات کہہ کر اس نے اپنے آپ کو بالکل ظاہر کر دیا۔ اپنے عقائد کو چھپانا اور پوشیدہ رکھنا یہ ہرگز اہل سنت کا مسلک نہیں ہے بلکہ سبائیہ اور باطنیہ کا مذہب ہے۔

(۳) اس نے حضرت معاویہؓ کی شان میں جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ اہل سُنّت استعمال نہیں کر سکتے بلکہ وہی لوگ لکھ سکتے ہیں جن کے قلوب میں زیغ اور کذب راسخ ہو چکا ہے۔ علاوہ بریں اس نے ہر جگہ حضرات علیؓ، حسنؓ وحسینؓ کیلئے علیہ السلام کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سُنّی نہیں تھا کیونکہ تمام اہلِ سُنّت کا یہ طریق ہے کہ وہ انبیاء کے لئے علیہ السلام اور صحابہ کے لئے رضی اللہ عنہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ کاشانی نے اپنی صحابہ دشمنی کا یہاں تک ثبوت دیا ہے کہ اس نے جنید اور بایزید کے نام کے آگے رحمتہ اللہ علیہ لکھا ہے۔ مگر حضرت معاویہؓ

کے نام کے آگے کچھ نہیں لکھا۔ اب ناظرین خود فیصلہ کر لیں کہ وہ کس طائفے سے تعلق رکھتا ہے۔

(۴) اس نے صفحہ ۲۷۸ پر لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو زہد و ورع اختیار کرنے کی تلقین کی تھی۔ یہ روایت نقلاً اور عقلاً دونوں طرح غلط اور وضعی ہے۔ نقلاً اس لیئے کہ کاشانی نے اس روایت کی سند بیان نہیں کی اور عقلاً اس لیئے کہ حضرت عمرؓ اس قدر زاہد اور متورع تھے کہ وہ خود حضرت علیؓ کے لیئے اسوۂ حسنہ تھے۔ چونکہ موازنہ ایک نازک امر ہے۔ اس لیئے یہیں قلم روکتا ہوں ورنہ اس پر ایک مقالہ لکھا جاسکتا ہے۔

الحمد للہ میں نے بشواہد و دلائل ثابت کر دیا کہ کاشانی نے صوفی بن کر جاہل اور عالم دونوں قسم کے سنیوں کو گمراہ کرنے کا پورا پورا سامان اپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ بقول پروفیسر ہمائی مقدمہ نگار وہ شیعہ تفضیلیہ تھا اور میری رائے میں وہ شیعہ تھا۔ اس نے "تقیہ" اختیار کر کے صوفیوں کا لباس پہنا اور اس کتاب کے پردے میں اہل سُنّت کے دماغوں میں خلاف اسلام عقائد جاگزیں کر دیئے اور چونکہ صوفیوں میں اسلاف کی کتابوں یا ان کے مقولوں پر تنقید خلاف ادب یقین کی جاتی ہے اس لیئے اس قسم کے غلط عقائد اور بے سند قصے ہمارے یہاں صدیوں سے مقبول اور مسلّم چلے آرہے ہیں۔

کاشانی نے اس کتاب میں ایک روایت ایسی درج کی ہے جس کی چاشنی سے قارئین کو محروم رکھنا مناسب معلوم نہیں ہوتا لیکن میں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا اس لیئے کہ نزاکتِ روایت تابِ تبصرہ ندارد۔ ہاں مجبوراً ترجمہ کیئے دیتا ہوں۔

"چنانکہ رسیدہ است کہ وقتے حسین بن علیؓ نے اپنے باپ سے پوچھا "کیا آپ مجھ سے محبت رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں پھر حسین نے پوچھا "کیا آپ اللہ سے محبت رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں۔ یہ سن کر حسین نے کہا ہیہات قلب دا اند یس دو محبتیں تو جمع نہیں ہو سکتیں۔ یہ سن کر حضرت علیؓ رونے لگے اس وقت حسینؓ نے کہا اے باپ اگر آپ کو میرے قتل اور اپنے ایمان

کے ترک میں اختیار دیا جائے تو آپ کس کو اختیار کریں گے؟ حضرت علی نے کہا میں ترکِ ایمان پر، قتل کو اختیار کروں گا یہ سن کر حسینؓ نے کہا، خوش ہو جائیے اے باپ کیونکہ وہ محبت ہے اور یہ شفقت ہے۔"

پروفیسر ہمائیؔ نے اس روایت کی تضعیف یا تردید تو نہیں کی ہے مگر حاشیے میں اتنا ضرور لکھ دیا ہے کہ "ماخذ ایں روایت معلوم نیست۔" ص۴۰

اب پروفیسر ہمائیؔ کو کون بتائے کہ اللہ کے بندے! اس کتاب میں بہت سی روایات ایسی مندرج ہیں جن کا ماخذ نہ معلوم ہے اور نہ کبھی معلوم ہو سکتا ہے۔ پروفیسر صاحب کسی "صاحبِ اسرار" کی صحبت اختیار کریں تو یہ باطنی علوم شاید ان پر منکشف ہو جائیں۔

کاشانی کی کتاب کے بعد اب ہم ناظرین کو حضرت مولانا محمد عثمان انصاری نقشبندی جالندھریؒ کی تصنیف محبتِ باری کی سیر کراتے ہیں۔ مصنف کتاب نے جیسا کہ اس کے مترجم مولوی محمد سلیمان صاحب گیلانی نے "عرضِ مترجم" میں لکھا ہے "سب سے پہلے حضرت شیخ جلال الدین تھانیسریؒ سے قادری سلسلے میں بیعت کی تھی۔ پھر خواجہ محمد اسحٰقؒ سے نقشبندی طریق کی اجازت حاصل کی۔ آخری دور حضرت خواجہ باقی باللہ متوفی ۱۰۱۲ھ کی خدمت میں گذارا۔ یعنی خواجہ محمد عثمان، حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پیر بھائی تھے اور غالباً گیارھویں صدی ہجری کے نصف اوّل میں فوت ہوئے۔ اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ ص۱۵

فاضل مترجم طریقت اور شریعت دونوں کے جامع ہیں انہوں نے اس کتاب میں جس قدر ضعیف احادیث اور غلط روایات درج ہیں سب کی نشاندہی کی ہے۔ اسلامی تصوّف میں غیر اسلامی عقائد کی جو آمیزش ہو گئی ہے اس پر ان کا تبصرہ ذیل میں درج کرتا ہوں، کیونکہ اس سے میرے دعوے کی تائید و تصدیق ہوتی ہے:۔

"قصہ مختصر آجکل تصوّف میں منکر" کی آمیزش ہو چکی ہے۔ طالب کو لازم ہے کہ صوفیہ کی اچھی باتوں کو حاصل کرے، غلط باتوں کو چھوڑ دے۔ اصل دین اہلِ تصوّف کی

کتابیں نہیں بلکہ، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے۔ صوفیہ کے جو اقوال کتاب و سنت کے مطابق ہوں ان کو قبول کر لیا جائے اور جو ان کے خلاف ہوں انہیں چھوڑ دیا جائے۔

محدثین میں تین قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو جمع حدیث میں بھی امام ہیں۔ اور راویوں پر تنقید میں بھی امام ہیں۔ دوسرے وہ جو جمع حدیث میں تو امام ہیں مگر تنقید میں دسترس نہیں رکھتے۔ تیسرے وہ جو جمع حدیث میں امام نہیں مگر نقد روایت میں امام (ماہر) ہیں۔ لیکن صوفیاء میں سے کوئی بھی ان فنون یعنی فن جرح و تعدیل یا فن نقد و تبصرہ یا فن اسماء الرجال کا مرد میداں نہیں ہے[۱]۔ انتہائی عقیدت کے باوجود جب ہم شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کی کتاب غنیۃ الطالبین کو دیکھتے ہیں تو اس میں بھی کافی ضعیف روایات دیکھنے میں آتی ہیں اور بعض موضوع[۲] روایات بھی اس میں آگئی ہیں۔ اسی طرح مکتوبات میں بھی کئی ایسی ضعیف روایات آگئی ہیں جن سے محدثین کے کان تک نا آشنا ہیں۔

کچھ اسی طرح کی کیفیت زیر نظر کتاب "محبت الٰہی" کی بھی ہے۔ جہاں تک روایات و احادیث کا تعلق ہے اس میں بہت کم صحیح احادیث پائی گئی ہیں۔ بعض احادیث مندرجہ کتاب ضعیف ہیں اور ایک اچھی خاصی تعداد موضوع روایات کی بھی موجود ہے۔

محبت الٰہی میں جس قدر ضعیف اور موضوع روایات درج ہیں ان میں سے بعض پر فاضل مترجم نے "ضمیمہ متعلقہ کتاب محبت" کے ذیل میں مفصل تنقید کی ہے۔ یعنی پڑھنے والوں

---

[۱] مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ فاضل مترجم کثر اللہ نسلہ نے اخلاقی جرأت سے کام لے کر یہ سچی بات بلا خوف لومۃ لائم واشگاف لفظوں میں درج کتاب کر دی۔ میں بھی بائیس سال تک ۱۹۴۵-۱۹۶۷ء کتب تصوف کا مطالعہ کرنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کشف المحجوب اور اس کے مصنف دونوں کی عظمت مسلّم ہے۔ مگر اس میں بھی ضعیف روایات موجود ہیں اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ صوفیا ارباب حال تو تھے مگر محدث اور نقاد رواۃ نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن جوزی نے اکثر صوفیا پر تنقید کی ہے۔

[۲] میں جسے جھوٹی روایت کہتا ہوں محدثین اپنی اصطلاح میں اسے موضوع کہتے ہیں اور اس کا درجہ ضعیف روایات سے بہت پست ہے یعنی قطعاً ناقابل قبول۔

کو گمراہی سے بچانے کا پورا انتظام کر دیا ہے اجزاہ اللہ احسن الجزا) میں یہ پورا ضمیمہ تو نقل نہیں کر سکتا۔ صرف ایک جھوٹی روایت پر ان کی تنقید جذبات ممنونیت کے ساتھ درج کئے دیتا ہوں۔ فاضل مترجم اور ناقد ص۴۹۲ پر لکھتے ہیں۔

"کتاب ہذا کے صفحہ ۲۰۷ پر ایک منظوم حکایت بیان کی گئی ہے۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت پر شفقت کا اظہار کیا گیا ہے۔ لیکن جس طرح آپؐ کی شفقت کا اظہار کیا گیا ہے۔ یا جس طرح کا انداز اختیار کیا ہے وہ قطعاً صحیح نہیں ہے اس میں کئی ایک چیزیں خلاف شریعت آگئی ہیں۔ اس منظوم حکایت کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ تمام رات نماز پڑھا کرتے تھے اور امت کی سفارش میں مشغول رہا کرتے تھے۔ اتفاق سے ایک رات آپ کو نیند آگئی۔ خدا کی طرف سے وحی آئی کہ آپ کو سونا نہیں چاہئے تھا۔ اس جرم کی سزا آپ کو یہ دی جائے گی کہ آپ کی تمام امت کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ یہ سن کر آپؐ شہر سے باہر تشریف لے گئے اور جب تین دن گذر گئے تو صحابہؓ کو تشویش ہوئی۔ جا کر حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ آپؓ کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلعم کہاں تشریف لے گئے ہیں؟ آپؓ نے وحی آنے کا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ اس کے بعد آپؐ گھر تشریف نہیں لائے۔ صحابہؓ تلاش کے لئے مدینہ سے باہر نکلے۔ ایک چرواہا ملا اس سے پوچھا کہ کہیں ہمارے رسولؐ کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا آج تین دن گذر چکے ہیں میری بکریاں گھاس نہیں چرتیں۔ اس پہاڑ کی طرف منہ کر کے کھڑی رہتی ہیں۔ جہاں سے نہایت دردناک آوازیں آتی رہتی ہیں۔ یہ سنتے ہی صحابہؓ اس پہاڑ کی طرف دوڑے۔ دیکھا کہ آنحضرت صلعم سجدے میں پڑے ہوئے تھے۔ آنسوؤں سے زمین پر کیچڑ ہو گئی تھی اور آپ کا چہرہ اس میں لت پت تھا اور آپ رو رو کر امت کی بخشش کی دعائیں کر رہے تھے چاروں خلفاء نے علی الترتیب عرض کی کہ آپ سجدے سے سر اٹھائیے۔ ہم نے اپنی تمام زندگی کے نیک اعمال آپ کی امت کی رہائی کے لئے بخش دیئے۔ حضرت عثمانؓ نے یہ بھی کہا کہ میں نے جو قرآن جمع کیا ہے اس کا ثواب بھی آپ کی امت کو بخشتا ہوں۔ مگر آپ نے چاروں خلفاء کو ایک ہی جواب دیا کہ اس سے میرا کام نہیں چل سکتا۔ جب خدا کی طرف سے حکم

آچکا ہے کہ ہیں تیری اُمت کے تمام افراد کو دوزخ میں ڈال دوں گا تو تمہاری باتوں پر کس طرح اعتبار کر سکتا ہوں۔ جب صحابہؓ مایوس ہو گئے تو ایک آدمی کو حضرت فاطمہؓ کی خدمت میں روانہ کیا۔ وہ دوڑتی ہوئی آئیں اور انھوں نے آنحضرت سے عرض کی کہ آپ گھر تشریف لے چلیں۔ میں اپنی زندگی کے تمام اعمال آپ کی اُمت پر نثار کرتی ہوں۔ آپ نے حضرت فاطمہ کو بھی وہی جواب دیا جب وہ آپ سے مایوس ہو گئیں تو انھوں نے اپنا سر برہنہ کیا اور سجدے میں گر گئیں اور رو رو کر خدا سے دعائیں کرنے لگیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جبریل تشریف لائے اور خدا کی طرف سے آنحضرت کو امت کی بخشش کی خوشخبری سنائی اور کہا کہ خدا نے فاطمہؓ کے آنسوؤں کی لاج رکھ لی اور آپ کی امت کو بخش دیا گیا۔ حضرت فاطمہؓ نے صرف آپ کی امت کے لئے سفارش کی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر فاطمہؓ تمام دنیا کے لوگوں کے لئے سفارش کرتیں تو میں تمام دنیا کو بخش دیتا۔ اس کے بعد حضورؐ مع تمام صحابہؓ خوش خوش گھر تشریف لے آئے۔"

اس منظوم حکایت کا خلاصہ بیان کرنے کے بعد فاضل مترجم نے یہ تبصرہ کیا ہے۔

"اس حکایت میں خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں (ا) آپ نے تمام رات کبھی بھی جاگ کر نہیں گذاری بلکہ آپ قریباً آدھی رات سویا کرتے تھے اور آدھی رات قیام فرمایا کرتے تھے کیونکہ سورۂ مزمل میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ آپ رات کے کچھ حصے میں سویا کریں اور آدھی رات کے بعد اٹھ کر قرآن پڑھا کریں۔ غور کیجئے کیا آنحضرت اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی خلاف ورزی دیدہ و دانستہ کر سکتے تھے۔؟

(ب) اس کے بعد یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سوئیں تو آنحضرتؐ اور ان کے جرم کی سزا ملے امت کو! اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(ج) حضرت عثمانؓ کا اپنے جمع قرآن کے عمل کو پیش کرنا بھی خلاف واقعہ ہے کیونکہ انھوں نے حضور کی زندگی میں قرآن جمع ہی کب کیا تھا؟

(د) حضرت فاطمہؓ کا اپنے سر کو برہنہ کر کے سجدے میں گر پڑنا کہاں جائز ہے؟ حدیث

میں آیا ہے کہ جب تک کسی عورت کا سر ننگا رہتا ہے فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ کیا حضرت فاطمہؓ ایسا فعل کر سکتی تھیں جس پر خدا کے فرشتے لعنت کریں؟ اس کے علاوہ آں حضرت نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بالغ عورت کی نماز دوپٹے کے بغیر قبول نہیں ہو سکتی۔ تو اُن کا سجدہ کیسے قبول کر لیا گیا؟

(ھ) سبحان اللہ! کیا مقام ہے حضرت فاطمہؓ کا! رسول اللہ تو تین دن سے رو رہے تھے۔ آپ کے آنسوؤں کی تو خدا نے لاج نہ رکھی، لیکن فاطمہؓ کے آنسوؤں کی لاج رکھ لی گئی اور وہ بھی اس حیثیت سے کہ ان سے بھول ہو گئی جو صرف اُمّت مسلمہ کی سفارش کی اگر وہ پوری دنیا کی سفارش کر دیتیں تو خدا تعالیٰ تمام دنیا کے کافروں اور مشرکوں کو بھی بخش دیتا۔ جل جلالہٗ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام زندگی اپنے مشرک باپ کی سفارش کرتے رہے مگر وہ نہ بخشا گیا۔ حضرت نوحؑ نے اپنے مشرک بیٹے کی سفارش کی مگر قبول نہ ہوئی۔ خود آنحضرت صلعم نے عبداللہ ابن ابی منافق کا جنازہ پڑھا یعنی دعائے مغفرت کی، مگر وہ نہ بخشا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اے رسولؐ اگر آپ اس کے لئے ستر مرتبہ استغفار کریں گے تو بھی میں اسے نہیں بخشوں گا۔

(و) اس حکایت کی ابتداء میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس "حدیث" کو تمام محدثین نے قبول کیا ہے حالانکہ حدیث کی کسی معتبر کتاب میں اس حکایت کا نام و نشان بھی نہیں ملتا۔

(ز) تاریخی لحاظ سے حضور کا اس طرح ایک دن بھی مدینے سے غائب رہنا ثابت نہیں ہے۔

مندرجہ بالا تصریحات کی روشنی میں یہ سارا واقعہ بناوٹی معلوم ہوتا ہے جسے کسی رافضی نے حضرت فاطمہؓ کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے بنایا ہے۔

(مقتبس از ضمیمہ محبت باری تعالیٰ ص۴۹۲ تا ۴۹۹)

فاضل مترجم کی اس تنقید کے بعد مجھے اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں

ہے۔انھوں نے حقیقت پورے طور سے آشکار کردی ہے۔ جزاہ اللہ خیراً

اب ہم قلندروں کی محفل میں شرکت کرتے ہیں تاکہ اس جماعت کے علم قلندری سے استفادہ کرسکیں۔اس کتاب کا نام ہے "تعلیمات قلندریہ" مؤلفہ شاہ محمد تقی حیدر قلندر سجادہ نشین آستانہ کاظمیہ یہ کتاب ان مکتوبات پر مشتمل ہے جو اس سلسلے کے افراد نے اپنے مریدوں اور رشتہ داروں کو لکھے تھے۔

یہ مکتوبات غیر مستند اور غیر معتبر روایات سے معمور ہیں شیخ فریدالدین عطار نے اپنے تذکرۃ الاولیاء میں جس قدر حکایتیں اور داستانیں سپرد قلم کی ہیں۔ان میں سے کسی کی سند نہیں لکھی۔ لوگوں نے ان غیر مستند داستانوں کو محض شیخ عطار کی شخصیت اور ان کی بزرگی کے پیش نظر قبول کرلیا یا ازراہ ادب سکوت اختیار کیا اس طرح یہ مضرت رساں رسم حلقۂ صوفیاء میں جاری ہوگئی۔نہ کسی تذکرہ نویس نے اسناد کا التزام کیا اور نہ مرتب ملفوظات نے تحقیق کی زحمت گوارا کی۔فقہی تقلید نے پہلے ہی سے ذوق تحقیق و تنقید کو مضمحل کردیا تھا۔رہی سہی کسر صوفیانہ تقلید نے پوری کردی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پوری قوم ذوق تحقیق سے بیگانہ ہوگئی۔ممکن ہے ناظرین و قارئین میری اس حق پژوہی اور راست بیانی سے چیں بجبیں ہوں اس لئے میں ان کے محبوب اور معتمد علیہ شاعر کو اپنی صفائی میں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و مُلّا کے غلام اے ساقی

یعنی اے خدا!میری قوم میں صدیوں سے کوئی محقق پیدا نہیں ہوا۔صرف صوفیاء اور فقہا کے غلام (مقلد) باقی رہ گئے ہیں۔

صرف ایک شعر اور سن لیجئے۔

حلقۂ شوق میں وہ جرأت رندانہ کہاں
آہ!محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق!

صوفیوں کے مکتوبات ہوں یا ملفوظات اور صوفیاء کے تذکرے ہوں یا سوانح

حیات کسی میں اسناد کا التزام نظر نہیں آتا۔ بس نقل ہے کہ 'یہ' تین لفظ بالکل کافی ہیں، ان تین طلسمی الفاظ کے بعد آپ جو چاہیں لکھ دیں۔ قرآن، حدیث، تاریخ، سیرت اور عقل سلیم جس کی چاہیں تردید کر دیں، کوئی شخص آپ پر معترض نہیں ہوگا بلکہ یہ بھی دریافت نہیں کرے گا کہ اس روایت کی سند کیا ہے؟ اس سے پہلے اپنے دعوے پر بہت سے شواہد اور دلائل پیش کر چکا ہوں۔ ایک شاہد اسی تعلیمات قلندریہ سے پیش کر کے قارئین کی ضیافت یا تفریح طبع کا سامان مہیا کرتا ہوں۔ پہلے محمد کاظم قلندر کاکوروی کی علمی دستگاہ کا حال بیان کرتا ہوں۔ پھر ان کے مکتوب سے صرف ایک فقرہ نقل کروں گا۔

واضح ہو کہ "عارف باللہ" شاہ محمد کاظم قلندر ۱۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے علم درسیہ اپنے زمانے کے بہترین علماء اور اساتذہ مثلاً ملا غلام یحییٰ بہاری اور ملا حمداللہ سندیلی سے حاصل کئے تھے۔ انہوں نے ۱۲۲۱ھ میں وفات پائی۔

چونکہ اس مضمون کے نوے فی صد پڑھنے والے ان عالموں کے علمی مقام سے ناواقف ہیں۔ اس لئے میں چند سطور ان کے بارے میں لکھنی بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ واضح ہو کہ ملا غلام یحییٰ بہاری اپنے زمانے کے بہت نامور منطقی تھے انہوں نے میر زاہد پر جو حاشیہ لکھا تھا وہ بقول سید سلیمان ندوی مرحوم۔ درس نظامیہ کی معراج ہے اور اسی لئے عرصہ دراز سے نصاب سے خارج ہو چکا ہے کہ اب اس کے پڑھانے والے "مفقود الخبر" ہو چکے ہیں۔

نوک کی بات یہ ہے کہ جب منطق اور کلام میں خدا نہ مل سکا تو ملا بہاری مرحوم نے جنید وقت اور بایزید عصر حضرت اقدس میرزا مظہر جانجاناں شہیدؒ کے آستانے کی خاک کو طوطیائے چشم بنایا تب کہیں جا کر محبوب حقیقی کا جلوہ نظر آیا۔ بالکل سچ کہا ہے اقبالؒ نے :۔

مرا از منطق آید بوئے خامی	دلیلِ او، دلیلِ ناتمامی
رہ دلہائے بستہ را کشاید	دو بیت از پیر رومی یا ز جامی

اب رہے ملا حمداللہ تو یہ بھی اپنے زمانے کے مشہور منطقی تھے سندیلہ ضلع ہردوئی کے رہنے والے تھے حسن اتفاق دیکھئے کہ انہوں نے اور ان کے ہم عصر قاضی مبارک گوپاموئی

دونوں نے سُلّم العلوم کی شرح لکھی اس کے دو حصے ہیں۔ تصورات اور تصدیقات۔ اول الذکر کی شرح تصورات موسومہ قاضی مبارک اور آخر الذکر کی شرح تصدیقات موسومہ حمداللہ آج بھی درس نظامیہ میں پڑھائی جاتی ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ اب ان کے پڑھانے والے بھی خال خال ہی رہ گئے ہیں اور اگر پاکستان میں انگریزی کے اقتدار کا یہی عالم رہا اور یہ زوال کی کوئی صورت نظر نہیں آئی، تو وہ دن دور نہیں ہے جب غلام یحییٰ کی طرح قاضی اور حمداللہ بھی نصاب سے خارج ہو جائیں گے۔

باز آمدم بر سر مطلب، محمد کاظم کی علمی استعداد کا ناظرین کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا۔ یہ صاحب اپنے برادر حقیقی میر محمد قلندر کو ایک خط میں لکھتے ہیں "اگر اتفاق شود ناد علیؓ ہزار بار وقت پاس آخر شب مداومت کنند لیکن بایں طور کہ یرزخ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بصورت آفتاب بدست راست این فقیر را بدست چپ تا خوانند ز تصور دلپذیر بسیار فوائد خواہند شد[۱]"

یہ "عارف باللہ" اپنے بھائی کو "ناد علی" کا وظیفہ پڑھنے کی تلقین کر رہا ہے۔ یہ "ناد علی" کیا ہے؟ یہ داستان قبل ازیں لکھ چکا ہوں اور واضح کر چکا ہوں کہ مہم تبوک میں قطعاً کوئی جنگ واقع نہیں ہوئی تھی لہذا جبریلؑ کا آنحضرت صلعم کو یہ مفروضہ دعا تلقین کرنا کہ نادِ علیاً مظہر العجائب الخ سراسر بے بنیاد، بے اصل اور دروغ ہے۔ جنگ کا افسانہ اور آنحضرت صلعم کا یہ دعا پڑھنا بالکل جھوٹ اور بہتان ہے لیکن اس عارف باللہ کو مظفر علی شاہ کی طرح اتنا بھی معلوم نہیں کہ تبوک میں کوئی قتال نہیں ہوا تھا۔ وہ عارف ہونے کے باوجود اس جعلی دعا کو اصلی سمجھ رہا ہے اور اپنے بھائی کو اس کے پڑھنے کی تلقین کر رہا ہے چونکہ "عارف باللہ" ہے اس لئے کس میں ہمت ہے کہ اس کی تردید یا تکذیب کر سکے! اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان عارفوں نے اپنی جہالت کی بدولت کتنے مسلمانوں کو گمراہ کیا ہو گا۔

ان مکتوبات میں بہت سی روایات خلاف شرع اور خلاف عقل درج ہیں، دل پر جبر کر کے صرف ایک روایت ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ شاہ تراب علی قلندر، سفیر شاہ اودھ، امیر عاشق علی خاں بہادر کو لکھتے ہیں کہ "نقل ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کا ایک ہمسایہ

تھا جو ان کا پیر بھائی تھا یعنی خواجہ عثمان ہارونی کا مرید تھا جب وہ مرا تو خواجہ صاحب جنازے کے ساتھ گئے اور دفن کے بعد اس کی قبر پہ مراقب ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کا رنگ زرد ہو گیا مگر فوراً بحال ہو گیا۔ کسی نے ان سے اس کا سبب پوچھا تو کہنے لگے کہ دفن کے فوراً بعد عذاب کے فرشتے ان کی قبر میں آن پہنچے مگر اسی وقت میرے پیر بھی آ گئے اور فرشتوں کے منہ پر تھپیڑ مار کر بولے کہ خبردار! اسے عذاب نہ دینا کیونکہ یہ میرا مرید ہے" فرشتوں کو (منجانب اللہ) حکم ہوا کہ خواجہ سے کہو کہ یہ شخص آپ (کی تعلیم) کے خلاف زندگی بسر کرتا رہا تھا۔ خواجہ نے یہ سن کر کہا "تم سچ کہتے ہو لیکن اس نے (زندگی میں) میرا دامن پکڑا تھا (خود را بہ پلۂ من بستہ است) خواجہ کا یہ جواب سن کر فرشتوں کو حکم ہوا کہ خواجہ کے مرید سے دستبردار ہو جاؤ۔ اسے خواجہ کے حوالے کر دو کیونکہ میں نے اسے خواجہ کو بخش دیا۔ یہ طلسم ہوشربا لکھنے کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ پس بلاشبہ پیراں شافع مریدان خود می شوند" صفحہ ۱۷۵

میں اس دروغ بے فروغ پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا صرف اتنا لکھوں گا کہ پیر وہ ہستی ہے جس کے سامنے خدا کی بھی کوئی ہستی نہیں ہے۔ اعوذ باللہ من ذالک الخرافات
اگر تصوّف اسی کا نام ہے اور پیروں کا یہی کام ہے تو ایسے تصوّف اور ایسے پیروں سے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان بلکہ ہر انسان کو محفوظ رکھے۔ آمین۔ یارب العالمین۔

قلندروں کے ان مکتوبات کے مطالعے سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ اس طائفے کا ہر فرد مائل بہ تشیع تھا بلکہ تفضیلی عقائد رکھتا تھا یہی وجہ ہے کہ دو سو صفحات کی اس کتاب میں کہیں حضرات صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ کا تذکرہ نہیں ہے حالانکہ اہل سنّت کا اس پہ اجماع ہے کہ حضرات شیخینؓ تمام صحابہؓ سے افضل ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ عبدالرحمٰن قلندر لاہر پوری نے مسعود علی قلندر الٰہ آبادی کو جو خط لکھا ہے اس میں صاف لفظوں میں مرقوم ہے کہ "ولایت نبوت سے افضل ہے کیونکہ نبوت قید ہے اور ولایت آزادی ہے۔ چنانچہ مولوی رومی فرماتے ہیں۔

کیست مولیٰ؟ آنکہ آزادت کند | بند رقیت ز پایت بر کند

زیں سبب پیغمبر با اجتہاد نامِ خویش و آں علی مولا نہاد (ص ۱۲۹ د)

چونکہ مکتوب عبدالرحمٰن قلندر مذکور کے اس گمراہ کن اقتباس سے اس کتاب کے پڑھنے والوں کے ذہنوں میں خلجان اور اضطراب پیدا ہونا یقینی ہے۔ اس لئے اس باب میں رفعِ اشتباہ اور ازالۂ ضلالت کے لئے اہلِ سنت کا مسلک بیان کر دینا ضروری ہے۔

(۱) تمام محققین اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ نبوت بہرحال ولایت سے افضل ہے

(۲) ولایت، غیر قرآنی اصطلاح ہے۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ 'ولایت' کہیں مذکور نہیں

(۳) ولایت علی کا عقیدہ سبائیہ باطنیہ اسمٰعیلیہ قرامطہ کا وضع کردہ ہے۔ اسی فرقۂ ضالّہ نے یہ عقیدہ بھی وضع کیا کہ الولایۃ افضل عن النبوۃ اور اسی طائفہ باطلہ نے یہ جملہ بعض صوفیاء کی تصانیف میں اپنی طرف سے داخل کر دیا۔ پھر صدیوں تک نقل در نقل ہوتے رہنے کی وجہ سے یہ عقیدہ بعض جاہل سنی صوفیوں میں خصوصاً غیر متشرع خانوادوں مثلاً شطاریہ، قلندریہ، مداریہ، روشنائیہ، رسول شاہیہ وغیرہم میں مقبول بلکہ مدار علیہ بن گیا۔ چونکہ صوفیاء بالعموم اور یہ طائفے بالخصوص علم حدیث، علم تاریخ اور سیرۃ النبیؐ سے بیگانہ ہوتے ہیں اس لئے کسی صوفی نے زحمتِ تحقیق گوارا نہ کی اور رفتہ رفتہ جھوٹ سچ بن گیا۔

(۴) قارئین کی آگاہی کے لئے یہ وضاحت بھی کئے دیتا ہوں کہ قرآن کی رو سے ہر مومن ولی اللہ (اللہ کا دوست) ہے اور خود اللہ ہر مومن کا ولی (دوست) ہے۔ ولایت یعنی دوستی ثمرہ ہے اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ بجا لانے کا یہی وجہ ہے کہ عقیدۂ ولایت کا قرآن میں کہیں تذکرہ نہیں ہے اور نہ یہ کوئی منصب ہے جو کسی فرد سے مختص کیا گیا ہو جس طرح نبوت ایک منصب ہے جو ختم نبوت سے پہلے بعض افراد کو عطا کیا جاتا رہا ہے۔

(۵) ولایت کے لئے "نصب" مطلق نہیں ہے کیونکہ یہ کوئی منصب ہی نہیں ہے اللہ جانتا تھا کہ باطل پرست 'ولایت علی' کا عقیدۂ باطلہ وضع کریں گے اور رسول اللہ کی رسالت کا مقصد یہ قرار دیں گے کہ اللہ نے انہیں لوگوں سے ولایت علی کی بیعت

لینے کے لئے مبعوث کیا تھا۔ اسی لئے اللہ نے سارے قرآن میں لفظ وِلایت (واؤ کے زیر کے ساتھ) استعمال نہیں فرمایا۔ تاکہ ظلمت پرستوں کو قرآن سے کوئی سند نہ مل سکے۔

الحمد للہ علی ذالک من جمیع المومنین

(۶) قارئین کی تسلی خاطر کے لئے وہ آیت قرآنی ذیل میں درج کرتا ہوں۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (۲۔۲۵۷)

اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لاتے ہیں۔ اس دوستی کا ثمرہ یہ ہے کہ اللہ انہیں (کفر و شرک و بدعات کی) تاریکیوں سے نکال کر (قرآن اور ہدایت کی) روشنی میں لے آتا ہے۔

(۷) اللہ سے دوستی کرنے (درجہ وِلایت پر فائز ہونے) کے لئے کسی واسطے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر مومن بلا واسطہ ولی اللہ بن جاتا ہے اور اللہ اس کا ولی بن جاتا ہے

(۸) رومیؒ کے اشعار کا وہ مطلب ہی نہیں ہے جو یہ فاضل قلندر سمجھا ہے اور نہ رومیؒ ایسی گمراہ کن بات کہہ سکتے ہیں۔ ان کی مثنوی میں اگر کوئی بات قرآن حکیم کے خلاف نظر آئے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ کسی باطنی کی کارستانی ہے یا کسی سبائی کی تدسیس ہے۔

(۹) مولوی رومی کہتے ہیں۔

کیست مولا؟ آنکہ آزادت کند ۔۔۔ بندِ رقیت ز پایت برکند

چوں بآزادی نبوت ہادی است ۔۔۔ مومناں را ز انبیاء آزادی است (دفتر ششم)

مولا (آقا یا ہادی) کون ہے؟ وہ ہے جو تجھے (کفر و شرک کی غلامی سے) آزاد کر دے اور غلامی کی زنجیر تیرے پاؤں سے دور کر دے۔ چونکہ نبوت آزادی کی راہ دکھاتی ہے۔ اس لئے مومنوں کو انبیاء کی بدولت آزادی کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔

اب قارئین خود غور کر لیں کہ مولوی رومی کیا کہہ رہے ہیں اور یہ لاہور کا پوری قلندر کیا کہہ رہا ہے۔ رومی صاف لفظوں میں کہہ رہے ہیں کہ آزادی انسان کو نبوت کی بدولت حاصل ہوتی ہے لیکن قلندر کہہ رہا ہے کہ ولایت کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔ نبوت تو قید ہے!

میری رائے میں قلندر مذکور سراسر معذور ہے جب قلب و نظر میں زیغ پیدا ہوجاتا ہے۔ تو انسان ایسی ہی بہکی بہکی باتیں کیا کرتا ہے۔ یہ تو مثنوی ہے اگر ایسا آدمی قرآن پڑھتا ہے تو اسے اس میں بھی ولایت ہی نظر آتی ہے۔

اگر قارئین میری اس تلخ گوئی کو برداشت کرلیں گے (کیونکہ سچ ہمیشہ تلخ ہوتا ہے) اور ٹھنڈے دل سے غور کریں گے تو وہ یقیناً مجھ سے متفق ہوجائیں گے کہ آج چودھویں صدی ہجری میں اہل سنت کی اکثریت کے عقائد میں شرک و بدعت کی آمیزش کا سب سے بڑا سبب یہی غلط روایات ہیں جو صدیوں سے تصوف کی کتابوں میں راہ پاچکی ہیں اور بزرگوں سے منسوب ہوجانے کی وجہ سے شک و شبہ یا تنقید و تحقیق سے بالاتر ہوچکی ہیں۔

یہ شور تو ہر طرف برپا ہے اور یہ کلمہ تو ہر واعظ اور ہر خطیب کی زبان پہ ہے، کہ مسلمان قرآن سے بیگانہ ہوچکے ہیں مگر یہ کوئی نہیں بتاتا کہ اس بیگانگی کے اسباب کیا ہیں؟ اس کی وجہ میں بتائے دیتا ہوں اگر وہ ماخذ اور منبع کی نشاندہی کرنے کی غلطی کریں گے تو ان کی شہرت عزت اور ہر دلعزیزی ایک ہی تقریر کے بعد ختم ہوجائے گی اور چند روز کے بعد ان کی دکان بند ہوجائے گی جسے شک ہو وہ تجربہ کرکے دیکھ لے۔ واللہ علی ما اقول شہید

نظام القلوب مصنفہ شیخ نظام الدین چشتی اورنگ آبادی جس میں حضرت مصنفؒ نے جہاں اور بہت سے اذکار درج کیے ہیں وہاں صفحہ ۳ پر یہ ذکر بھی لکھا ہے:" ذکر پنج فرقی۔ جانب ایمن یا محمد، جانب الیسر یا علی، جانب بالا یا فاطمہ، در پیش یا حسن، در دل یا حسین۔"

یہ عاجز اس ذکر کو پڑھ کر سخت حیران ہوا کہ شاہ صاحب نے یہ ذکر کیسے درج کردیا یہ تو سراسر خلاف ارشاد خداوندی ہے اس لیے ناجائز بھی ہے اور شرک بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ذکر کو اپنی ذات اقدس سے مختص فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:-

واذکرو اللہ کثیراً لعلکم تفلحون ط

اور اللہ کا ذکر بکثرت کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ پورا قرآن حکیم ذکر اللہ کی تاکید و تلقین سے بھرا ہوا ہے۔ اللہ نے کسی جگہ بھی غیر اللہ کے ذکر کا حکم نہیں دیا ہے کیونکہ غیر اللہ میں تو کسی قسم کی بھی طاقت یا قوت نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:-

"وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۔ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۔ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۔ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ" (۱۰ - ۱۰۶ و ۱۰۷)

اے انسان اللہ کے سوا کسی کو مت پکار۔ جو نہ تجھے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ پس اگر تو غیر اللہ کو پکارے گا تو اسی وقت ظالموں میں سے ہو جائے گا اگر اللہ تجھے کسی مصیبت میں گرفتار کر دے تو اللہ کے سوا کوئی انسان اس مصیبت کو دور نہیں کر سکتا اور اگر اللہ تیرے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو کوئی انسان اس کے فضل کو رد نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے۔ بھلائی پہنچاتا ہے اور وہ غفور اور رحیم ہے۔

سارا قرآن شرک کی مذمت اور توحید کی تلقین سے بھرا پڑا ہے۔ کلمہ طیبہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ پہلے غیر اللہ کی نفی کرو۔ پھر اللہ کا اثبات کرو۔ غیر اللہ میں کوئی قدرت یا طاقت نہیں ہے۔ چنانچہ اکبر الہ آبادی لکھتے ہیں:

جو غیرِ خدا کو مانتا ہو قادر اکبر بخدا کہ وہ مسلماں ہی نہیں

تصوف تو نام ہی ہے لوحِ دل سے نقشِ غیر کو مٹانے کا جو تصوف غیر اللہ کے نام کو دل میں جاگزیں کرنے کی ہدایت کرتا ہے وہ تصوف نہیں ہے بلکہ سراسر گمراہی اور ضلالت ہے یہ ذکر پنج فرقی وہی تلقین کر سکتا ہے جو غیر اللہ کو قادر یقین کرتا ہو یعنی مشرک ہو۔ اللہ تعالےٰ نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنے کا بھی حکم نہیں دیا تو دوسرے افراد کس شمار میں ہیں۔

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ شاہ صاحب نے یہ ذکر جو دراصل شرک ہے کس طرح اپنی تصنیف میں درج کر دیا۔ اس ذکر کی سند قرآن کے علاوہ کسی حدیث سے بھی نہیں مل سکتی اور مل بھی کیسے سکتی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے خلاف کوئی حکم کیسے دے سکتے ہیں؟

میں پورے یقین کے ساتھ لکھتا ہوں کہ غیر اللہ کے ذکر سے دل میں نور کے بجائے ظلمت پیدا ہوگی اور ذاکر اطمینان قلب سے محروم ہو جائے گا کیونکہ اللہ فرماتا ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ آگاہ ہو جاؤ کہ قلوب صرف ذکر اللہ سے اطمینان (سکون) حاصل کر سکتے ہیں۔

(۵) سید سلامت علی شاہ قادری کی تصنیف موسومہ حقائق و معارف القدر کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قادری سہروردی اور چشتی۔ ان تینوں سلسلوں کے اکثر و بیشتر افراد حضرت علیؓ کو وصی نبی یقین کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ عقیدہ اہل سنت والجماعت کے اجماعی عقائد کے سراسر خلاف ہے کہ حضرت علیؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی تھے۔ یہ عقیدہ تو عبداللہ ابن سبا بانیٔ فرقہ ضالہ سبائیہ کی ایجاد ہے اور سبائیت کی تمام شاخوں کا اور ان سے جس قدر فرقے نکلے۔ سب کا سنگ بنیاد ہے بلکہ اہل سنت اور سبائیت کے درمیان مابہ الامتیاز ہے۔ جو سنی صوفی خواہ وہ چشتی ہو یا قادری۔ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت علیؓ وصی رسولؐ تھے۔ وہ دوسرے لفظوں میں تینوں خلفائے راشدینؓ کو غاصب "تسلیم کرتا ہے۔ خواہ وہ مصلحتاً" یا تقیۃً" زبان سے اس کا اقرار کرے یا نہ کرے۔

چنانچہ مذکورہ بالا کتاب کا جاہل مصنف آغاز کتاب میں لکھتا ہے:۔

"ہدیہ سلام علی دریائے ولایت علی ولی وصی نبیؐ را الخ

اس کے بعد لکھتا ہے "وعلی ذریتہ الحسن والحسین۔ الخ

صفحہ ۲ پر یہ رباعی لکھی ہے:۔

یارب برسالت رسول الثقلین — یارب بغزا کنندۂ بدروحنین
عصیان مرا دو حصہ کن در عرصات — نیمے بحسن بخش و نیمے بحسین

پوری کتاب میں حضرات شیخین کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ ان پر ہدیہ سلام بھیجنا تو خارج از بحث ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس شخص کے اسلوب نگارش اور ایک سبائی کے اسلوب میں کیا فرق پایا جاتا ہے؟ وہ بھی رسول کے بعد حضرت علی کا ذکر کرتا ہے اور انہیں وصی قرار دیتا ہے۔ اس نام نہاد سنی قادری نے بھی رسول کے بعد یک لخت حضرت علی کا ذکر کیا ہے اور انہیں وصی قرار دیا ہے۔

اس کتاب کی دوسری جلد میں صفحہ ۱۳۷ پر یہ غیر اسلامی عقیدہ درج ہے۔ "معدن الجواہر میں ایک روایت نقل کی گئی ہے[1] کہ مقتدائے زماں امین خاں

---

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں۔

سے منقول ہے کہ ایک رات میں اپنے گھر میں بیٹھا تھا کہ حضرت قطبی ابوالفتح شاہ شمس الدین شیخ محمد شریف قادری ملتانی کو دیکھا کہ دایاں ہاتھ بند کئے ہوئے میرے سامنے کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میری ہتھیلی کو دیکھ۔ جب میں نے ایسا کیا تو پوچھا کیا دیکھا؟ میں نے کہا محمدؐ کو۔ فرمایا اب پھر دیکھ۔ میں نے پھر ہتھیلی کی طرف دیکھا۔ پوچھا اب کسے دیکھا؟ میں نے کہا علیؓ کو۔ فرمایا پھر دیکھ۔ میں نے پھر دیکھا۔ فرمایا چہ دیدی؟ کیا دیکھا یا کسے دیکھا؟ میں نے کہا عبدالقادر جیلانیؒ کو۔ فرمایا تجھ پر لازم ہے کہ کبھی ان تینوں میں فرق نہ کرنا۔ محمدؐ، علیؓ اور عبدالقادرؒ یہ تینوں بظاہر تین وجود نظر آتے ہیں مگر باطناً (باعتبار باطن) ایک وجود ہیں! اور معیّت تام رکھتے ہیں۔ مبارک ہے وہ جو یہ اعتقاد رکھے اور ناقص ہے وہ جو اس کے خلاف (ان کو تین) سمجھے ــــ شاہ نعمت اللہ کرمانی (شیعہ صوفی) نے بھی اپنے اس شعر میں اسی معنیٰ کو واضح فرمایا ہے:-

مُصطفےٰ را مُرتضیٰ دان ، مُرتضےٰ را مُصطفےٰ

خاک در چشم دو بینان دغا باید زدن

یہ روایت مذکورہ بالا (کہ تینوں ایک ہیں) ان احادیث مندرجہ ذیل کی روشنی میں معیّت تام پر دلالت کرتی ہے۔

(ا) لحمک لحمی ودمک دمی — (تیرا گوشت میرا گوشت ہے اور تیرا خون میرا خون ہے)

(ب) انا وعلیؓ من نور واحد — (میں اور علی ایک ہی نور سے (مخلوق) ہیں)

(ج) انا انت وانت انا یا علی — (اے علی میں تو ہوں اور تو میں ہے)

(انتہٰی بالفاظہٖ صد ۳۴۵ جلد دوم)

یہ روایت تو میں نے دل پر جبر کر کے نقل کر دی۔ اب اس پر تنقید کرنے کے لئے فولاد کا جگر کہاں سے لاؤں؟ اگر حضرت قطبی ملتانی زندہ ہوتے تو ان سے عرض کرتا کہ یا حضرت! اس عقیدے میں اور نصاریٰ کے عقیدے میں کیا فرق ہے؟ وہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ باپ، بیٹا اور روح قدس اگرچہ ظاہراً تین ہیں مگر باطناً ایک ہیں۔

ؔ اس نام کی ایک کتاب شیخ عطار سے بھی منسوب ہے مگر یہ وہ نہیں ہے بلکہ یہ کسی ہندی باطنی کی تصنیف ہے۔

عجیب بات ہے کہ اللہ تو یہ فرمائے کہ جو یہ عقیدہ رکھے وہ کافر ہے (لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ) اور آپ یہ کہیں کہ جو یہ عقیدہ رکھے وہ بہت مبارک ہے!

دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ مزعومہ احادیث جن سے آپ نے معیّت تامّہ پر استدلال کیا ہے اہل سُنّت کی مسلّمہ ومتداولہ کتب احادیث میں سے کون سی کتاب میں مندرج ہیں۔؟ یا ان کی سند کیا ہے۔؟

یہ عاجز بڑے ادب مگر بڑے وثوق کے ساتھ یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہے کہ انہی روایات کا کرشمہ ہے کہ آج چودھویں صدی ہجری میں حیدر آباد دکن، گلبرگہ، اورنگ آباد، پیران کلیر، بریلی، بدایوں، دہلی، اجمیر، دیوہ، ردولی، کچھوچھہ، مارہرہ، لاہور، پاک پتن، ملتان، اُچ، جلالپور پیروالا، سیہون، دراز، حجرہ شاہ مقیم اور بھٹ شاہ کے اکثر مزارات سبائیت اور باطنیت کے فروغ وشیوع کے مرکز بن گئے ہیں۔

نیز یہ مسکین بصمیم قلب اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس دور عقلیت میں اگر دین اسلام سے واقف مسلمان تصوّف اور صوفیوں سے بدظن نظر آتے ہیں اور تصوّف کو "بے راہ روی" سے تعبیر کرتے ہیں تو حق بجانب ایشان است۔ کیونکہ انہیں نہ اس کی ضرورت ہے نہ فرصت ہے کہ وہ اس عاجز کی طرح قوت لایموت اور رزق مایحتاج پہ قناعت کر کے بیس بائیس سال تک گوشہ میں بیٹھ کر تیسری صدی ہجری سے لے کر تا عصرِ حاضر تصوّف کی تمام کتابوں کو کھنگالیں اور کھوٹے کو کھرے سے جدا کریں اور اس کے صلے میں غیروں کی گالیاں اور اپنوں کے طعنے سُنیں۔

الحمد للہ کہ یہ عاصی وکم سواد، قرآن وحدیث کے مطالعے کی بدولت اس حقیقت سے آگاہ ہو چکا ہے کہ تصوف شرعی اصطلاح میں احسان کا معروف نام ہے (اگرچہ بدنام ہو چکا ہے) اور در اصل عبارت ہے تزکیۂ نفس سے جو مقصودِ حیات بھی ہے اور بعثت نبوی کی غائت بھی ہے۔ اس لئے یہ طریق در ہمہ حال، مقید بالکتاب اور مشید بالسنۃ رہنا چاہئے۔ اس لئے تینوں کو ایک سمجھنا نصرانیت یا باطنیت کی تعلیم تو ہو سکتی ہے۔ اسلام کی تعلیم ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اعوذ باللہ من ھٰذہ الخرافات

(۶) اللہ تعالٰے نے قرآن حکیم میں اپنی ذات پاک کو مومنوں کی محبت کا مرکز قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں ان کی شناخت یہ ہے کہ وہ اللہ کی محبت میں بغایت شدید ہوتے ہیں۔ اللہ تعالٰے نے اپنی ذات کو مرکزِ محبتِ مومنین اس لئے بنایا ہے کہ وہ اپنی جانیں اور اپنے اموال اللہ کی راہ میں قربان کرسکیں۔ کیونکہ انسان کی فطرت ہی یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب پر اپنی جان اور اپنا مال بخوشی قربان کردیتا ہے۔ صحابہؓ میں حضرت صدیق اکبرؓ کو جو افضلیت حاصل ہے اس کا سب سے بڑا سبب یہی بذل اموال فی سبیل اللہ ہے چنانچہ کوئی صحابی اس وصفِ خاص میں صدیق اکبرؓ کا ہمسر نہیں ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت اس پر شاہد ہے :۔

وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى (۹۲ - ۱۷ و ۱۸)

اور یقیناً (اس آگ سے وہ (سب سے بڑا پرہیز گار (متقی) دور رکھا جائے گا جو اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے تاکہ وہ پاک ہوجائے۔

یہ آیت جیساکہ تمام مفسرین نے لکھا ہے۔ صدیق اکبرؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے اس لئے "اتقی" (سب سے بڑا متقی) کا مصداق صدیق اکبرؓ ہیں۔ اب اس آیت پہ غور کرو۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ بلا شبہ اللہ کی بارگاہ میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ مکرم (افضل) وہ ہے جو تم لوگوں میں سب سے بڑا متقی ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت صدیق اکبرؓ (سب سے زیادہ معزز ہیں) اسی لئے تمام مفسرین، محدثین، فقہا اور متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ صدیق اکبرؓ افضل الصحابہؓ اور اس لئے انبیاءؑ کے بعد، افضل الناس ہیں۔ رضی اللہ عنہ،

پیروانِ ابن سبا نے مسلمانوں پر سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ اللہ کے بجائے حضرت علیؓ کو ان کی محبت کا مرکز بنادیا اور اس مقصد کے لئے بہت سی روایتیں وضع کی گئیں۔ جن میں سے ایک ذیل میں درج کی جاتی ہے :۔

قاضی نوراللہ شوستری (مقتول بحکم جہانگیر در ۱۰۱۹ھ) نے اپنی مشہور تصنیف

خفاق الحق جلد ہفتم صـ۱۵۲ میں یہ روایت درج کی ہے :۔

"اذ سمعت الندا من قبل اللہ یا محمد من تحب ان یکون معک فی الارض؟ فقلت احب من یحبہ العزیز الجبار دیا مر بحبنہ ۔فسمعت الندا من قبل اللہ یا محمد احب علیا فانی احبہ وا حب من یحبہ ۔ فبکی جبریل وقال لوان اھل الارض یحبون علیا کما یحبہ اھل السماء ما خلق اللہ النار۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شب معراج میں اللہ کے سامنے یہ ندا سنی گئی کہ اے محمدؐ تو کس سے محبت کرتا ہے کہ وہ دنیا میں تیرا رفیق ہو؟ میں نے کہا میں اس سے محبت کروں گا جس سے العزیز الجبار (خدا) محبت کرتا ہے اور اس کی محبت کا مجھے حکم دے پس میں نے اللہ کے سامنے یہ ندا سنی کہ یا محمدؐ تو علی سے محبت کر کیونکہ میں اس سے محبت کرتا ہوں ۔اور جو شخص اس سے محبت کرے اس سے (بھی) محبت کرتا ہوں۔ یہ سن کر جبریل رونے لگا اور کہا کہ اگر اہل زمین بھی علیؓ سے محبت کرتے جیسے کہ اہل آسمان اس سے محبت کرتے ہیں تو اللہ دوزخ کو پیدا ہی نہ کرتا۔

(ختم شد لفظی ترجمہ)

فرقہ سبائیہ نے یہ روایت وضع کی اور ان کے جانشینوں یعنی باطنیہ نے صوفیوں کا لبادہ پہن کر اس روایت کو سنیوں کے دماغوں میں جاگزیں کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی اکثریت ایزد پرستی کے بجائے شخصیت پرستی میں مبتلا ہوگئی اور اللہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوگیا اور انہوں نے اللہ کے بجائے ایک شخص کو اپنی محبت کا مرکز بنالیا ۔چنانچہ شاہ تراب علی قلندر کاکوروی اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔ "حب حضرت امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ وخمیر ماست کہ ہم از اولاد آنحضرت ایم وہم سلسلہ مشائخ ما بآنحضرت می رسد چگونہ مرا حب آں جناب نباشد؟ شما در تعصب مذاہب گرفتار نباشند ۔آنچہ مذہب حنفیہ است براں باشند ۔" (تعلیمات قلندریہ صـ۱۶۱)

شاہ صاحب کی اس عبارت سے ثابت ہوا کہ حب علی ان کا خمیر ہے ۔ اب معمولی عقل والا بھی اس حقیقت سے واقف ہے کہ انسان جسے محبوب رکھتا ہے اسی کو سب انسانوں میں افضل اور اعلیٰ اور برتر یقین کرتا ہے ۔یہ عقلاً ناممکن ہے کہ ایک

شخص محبوب تو رکھے حضرت علیؓ کو در افضل یقین کرے حضرت صدیق اکبرؓ کو بس جو شخص فی الجملہ حضرت علیؓ کو افضل سمجھتا ہے وہ اہل سنت والجماعت کے دائرے سے باہر ہے کیونکہ تشیع اور تسنن میں بنیادی فرق ہی یہ ہے کہ شیعہ حضرات حضرت علیؓ کو افضل مانتے ہیں۔ اور سنی حضرات حضرت صدیق اکبرؓ کو افضل مانتے ہیں چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی مشہور اور مستند تصنیف "تکمیل الایمان شرح" شرح عقائد نسفی میں یوں قمطراز ہیں۔

" والخلفاء الاربعة افضل الاصحاب وفضلهم على ترتيب الخلافة "

"چاروں خلفاء تمام صحابہؓ سے افضل ہیں اور ان چار کی بزرگی ان کی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے یعنی پہلے صدیق اکبرؓ پھر فاروق اعظمؓ پھر حضرت عثمانؓ پھر حضرت علیؓ" (اردو ترجمہ تکمیل الایمان ص۹۵)

باز آمدم بر سرِ مطلب۔ شوستری نے جو روایت نقل کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالے صرف ایک شخص سے محبت کرتا ہے حالانکہ قرآن حکیم ناطق بالصواب ہے کہ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ (۶۱-۴) بلاشبہ اللہ محبت کرتا ہے ان لوگوں سے جو قتال کرتے ہیں اس کی راہ میں صف باندھ کر گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

اب مسلمانوں کو اختیار ہے کہ وہ اللہ تعالی کے ارشاد کو تسلیم کریں یا شوستری کی نقل کردہ روایت کو میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا ہاں اقبال کے مرشد معنوی حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم کی ایک رباعی نقل کئے دیتا ہوں جو ایک مقالے سے بھی زیادہ موثر ہے

سررشتۂ اتحاد ہم سے چھوٹا — آپس ہی کی خانہ جنگیوں نے لوٹا
قرآن کے اثر کو روک دینے کے لئے — ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا

ایک شعر مزید کا بھی درج کئے دیتا ہوں:۔

حقیقت خرافات میں کھو گئی — یہ امت روایات میں کھو گئی (اقبالؔ)

(۷) سید محمد گیسو درازؒ جن کا مزار گلبرگہ (دکن) میں ہے اپنی مشہور تصنیف جوامع الکلم میں لکھتے ہیں کہ :۔

لے حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں

"خلافت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بر دو گونہ است، یکے خلافتِ صغریٰ کہ مراد از خلافت ظاہری است، دوم خلافتِ کبریٰ کہ مراد از خلافت باطنی است و مخصوص بحضرت علی است"

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ سید صاحب نے یہ تقسیم کس بنیاد پر کی ہے۔ قرآن حکیم یا کسی صحیح حدیث سے تو اس کی تائید ہرگز نہیں ہوتی۔ قرآن میں صرف ایک ہی قسم کی خلافت کا ذکر ہے:۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (۲۴-۵۵)

(صحابہ کرامؓ سے خطاب ہے) اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ انہیں ضرور ملک کی حکومت عطا کرے گا (خلیفہ بنائے گا زمین میں) جیسا کہ ان سے پہلوں کو عطا کی تھی اور ان کے لئے جس دین کو اس نے پسند کیا ہے ضرور مستحکم کر دے گا اور یقیناً ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

جیسا کہ تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے۔ یہ تینوں وعدے حضرات شیخینؓ کے مبارک عہد میں پورے ہو گئے۔ اس خلافت ارضی کے علاوہ قرآن حکیم میں نہ صغریٰ کا ذکر ہے نہ کبریٰ کا اور نہ ظاہری کا بیان ہے نہ باطنی کا۔ جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں "باطنیت" کا تصور صحابہ کے زمانے میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ یہ تو سبائیہ اسمٰعیلیہ قرامطہ باطنیہ کے دماغوں کی اپج ہے اور اسی لئے انہیں باطنیہ کہتے ہیں۔ سید گیسو دراز بھی انہی باطنیہ کے ہمنوا نظر آتے ہیں اور مجھے اس فصل میں یہی دکھانا ہے کہ باطنیہ کے عقائد اکثر سُنی صوفیوں کے دل و دماغ میں راسخ ہو چکے ہیں۔

(۸) چونکہ باطنیہ کے تمام بنیادی عقائد (BASIC DOCTRINES) قرآنی

لہ گولکنڈے کا آخری شیعہ بادشاہ ابو الحسن المعروف بہ تانا شاہ، شاہ راجو قتال کا نہایت مخلص مرید تھا جو گیسو دراز کی اولاد میں سے تھے۔ چونکہ کوئی شیعہ تفاخی ہو جس وجہ اس کسی سُنی کا مرید نہیں ہو سکتا۔ اس لئے راجو قتال کے شیعہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور گیسو دراز کا مذہب ان کی مذکورہ بالا تقسیم سے ظاہر ہے۔

تعلیمات کے خلاف ہیں اس لیئے انہوں نے سب سے زیادہ توجہ اس بات پر مبذول کی کہ جس طرح ہوسکے اہل سنت کو قرآن سے بیگانہ بنا دیا جائے تاکہ وہ غیر قرآنی عقائد کو قبول کرسکیں اس مقصد کے لیئے انہوں نے سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ تصوف کا لباس زیب تن کیا[1] اور صوفی بن کر اپنے عقائد عوام اہل سنت میں شائع کر دیئے۔ دوسرا کام یہ کیا کہ علم الاعداد ایجاد کر کے اسے حضرت علی سے منسوب کر دیا۔ ہر عدد کو خاص تاثیر کا حامل قرار دیا اور تعویذ طلسم لکھ کر عوام میں تقسیم کرنا شروع کیئے۔ اس طرح عوام ان کے معتقد ہوگئے اس کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات کے نقوش مرتب کئے اور ان سے غیر معمولی فوائد منسوب کر دیئے چنانچہ کچھ عرصے کے بعد تصوف اور تعویذ لازم و ملزوم ہوگئے۔ صحابہ کرامؓ قرآنی آیات پر عمل کرتے تھے۔ ان باطنی صوفیوں کے زیر اثر آکر مسلمانوں نے قرآنی آیات کو لکھ کر گلے میں ڈالنا شروع کر دیا۔

جو قرآن مجید تہران سے ۱۳۳۳ھ خورشیدی میں شائع ہوا ہے۔ اس میں بہت سے نقوش بھی درج کئے گئے ہیں چنانچہ صفحہ ۱۰۰۸ پر یہ عبارت مرقوم ہے۔

"نقل است از خاتم المجتہدین شیخ بہاؤالدین عاملی کہ ہر کہ در عمر خود یک بار برایں شکل

---

[1] اگرچہ اس کے شواہد قبل ازیں پیش کر چکا ہوں تاہم ایک شاہد اور پیش کئے دیتا ہوں۔

"رسالہ در حقیقت دین" مصنفہ شہاب الدین شاہ ولد شاہ علی شاہ (باطنیہ نزاریہ شاخ کا نواں امام) کے دیباچے میں پروفیسر آئی وے ناف لکھتا ہے۔ یہ بات بخوبی مشہور ہے کہ فرقہ اسمٰعیلیہ نے ایران میں مجبوراً اپنی تصانیف کو فلسفہ تصوّف کے لباس میں مخفی کیا اور بلاشبہ فلسفہ اسمٰعیلیت اور فلسفہ تصوّف میں بہت سے امور مشترک ہیں" یہ رسالہ فارسی میں ہے آئی وے ناف نے اس کا دیباچہ انگریزی میں لکھا ہے ۱۳۳۳ھ میں بمبئی سے شائع ہوا تھا۔ میں قصداً اس رسالے سے تین اقتباسات ذیل میں درج کرتا ہوں تاکہ میرا دعویٰ ثابت ہوسکے کہ باطنیہ نے تصوّف کے پردے یا لباس میں اپنے عقائد کی اشاعت کی اور رسمی صوفیوں نے ان کے عقائد کو دانستہ یا نادانستہ طور پر اختیار کر کے اسلامی تصوّف کو کفر و اسلام کا ملغوبہ بنا دیا اور اب غیر اسلامی عقائد کو تصوّف سے خارج کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کہ گوشت کو ناخن سے جدا کرنا۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نظر کند آتش دوزخ بروے حرام گردد۔"

وہ شکل یہ ہے :۔

هلج هلج هلج	هلج هلج هلج

میں نے افادۂ عام کے لئے یہ شکل بجنسہٖ نقل کر دی ہے۔ اس نوعیت کے نقوش اس قرآن کے صد ۲۰ سے صد ۱۱۰ تک کثیر تعداد میں درج کئے گئے ہیں۔ میں اس قدر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب نقشِ مرقومہ بالا کے صرف ایک مرتبہ دیکھ لینے سے دوزخ کی آگ حرام ہو جائے گی۔ تو قرآن مجید کی تلاوت یا اس کے سمجھنے کی کیا ضرورت باقی رہ گئی۔

رفتہ رفتہ مسلمان اس طلسم میں گرفتار ہو گئے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک کتاب نظر سے گذری جس کا نام دار النظیم ہے۔ یہ کتاب امام الفن عبداللہ بن یافعی الیمنی کی تصنیف ہے اور مطبع نول کشور لکھنؤ سے ۱۸۸۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں صد ۱۰۶ پر "اسم اعظم" بایں صورت مرقوم ہے :۔

ااا ے ۱۱۱۱ خ ج ھا

اس کے ساتھ ایک نظم بھی لکھی ہے جسے حضرت علیؓ سے منسوب کر دیا ہے صد ۱۲۶ پر بضمن خواصِ سورۂ نور یہ عبارت مرقوم ہے جسے میں بجنسہٖ نقل کئے دیتا ہوں ترجمہ کرنے سے قصداً احتراز کرتا ہوں :

بقیہ حاشیہ صد ۱۱۵ سے آگے :۔ (ا) فصل پنجم در معرفت : در حدیث قدسی می فرماید" اے محمد! اگر تو نبودے آسمانہا را خلقت نمی کردم۔ ودر جائے دیگر است" اگر علی نبودے ترا خلقت نمی کردم " از آیت چناں معلوم می شود کہ اگر رسول، ولایت را اظاہر نمی ساخت، رسالت ناقص بود پس ایں ہم اسباب آفرینش و ارسالِ رسل و انزالِ کتب برائے شناختن او (علی) بود"۔ صد ۱۳

(ب) اے جلوۂ حق! چہ طور آشکارا شدی کہ ہمہ فکر ہا در تو متحیر ماندند۔ خود شاجمالِ ازل خویش را پنہاں ساختی و بایں طور آشکارا شدی کہ جمعے خدایت خواندند" صد ۱۷

(ج) "محمد و علی ہر دو یک نور بودند ۔ ۔ ۔ ۔ درمیانِ مردم بدو لباس جلوہ نمودند" صد ۲۴

"من کتبہا وجعلہا فی فراشہ الذی ینام فیہ لم تحیلم ابدا" وان کتبت بماء زمزم وشربہا انقطع عنہ شہوۃ الجماع فان جامع لم یجد لذۃ"

غالباً یہ مصرع انیس کا ہے مگر دل صاحب اولاد سے انصاف طلب ہے میں اس میں قدرے تغیر کر کے کہتا ہوں۔

دل صاحب ایمان سے انصاف طلب ہے
قرآن سے یہ دل لگی ! اُف کیسا غضب ہے

قرآن حکیم پر یہ ظلم تو شاید کافروں نے بھی نہیں کیا ہوگا جو اس امام الفن نے کیا بہرحال باطنی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ آج مسلمانوں میں قرآن کی جو حیثیت رہ گئی ہے اسے اقبال کے لفظوں میں بیان کرتا ہوں۔

با آیاتش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از یٰسین او ، آساں بمیری

(۹) شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی سلسلہ چشتیہ کے مشہور مشائخ میں سے ہیں۔ لیکن انہوں نے اپنے دیوان میں جو مناجات لکھی ہے اس میں حضرت علیؓ کو "وصی نبی" تسلیم کیا ہے، اللہ تعالیٰ سے بحق دوازدہ ائمہ شیعہ التجا کی ہے۔ انتہا یہ ہے کہ شیخ جیلانیؒ کو بھی واسطہ بنایا ہے۔ مگر افضل الاولیا والائمہ بلکہ افضل الصحابہؓ حضرت صدیق اکبرؓ کا کہیں تذکرہ نہیں کیا ہے۔ پوری مناجات تو بخوف طوالت نقل نہیں کر سکتا۔ صرف ایک شعر درج کرتا ہوں۔

بحقِ امامِ علیؓ مرتضیٰ وصیِ نبی و ولیِ خدا

شاہ صاحب چونکہ عالم دین تھے اس لئے یہ حقیقت ان سے مخفی نہیں ہو سکتی تھی کہ اہل سُنّت اور اہل تشیع میں یہ عقیدہ (کہ علی وصی نبی تھے) مابہ النزاع بھی ہے اور مابہ الامتیاز بھی ہے۔ تمام اہل سُنّت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ حضور انورؐ نے کسی کو اپنا وصی مقرر نہیں کیا۔ مگر شاہ صاحب حضرت علیؓ کو صاف لفظوں میں وصیِ نبی تسلیم کر رہے ہیں۔ بلکہ ایک غزل میں بھی اپنے اسی عقیدے کا اظہار کیا ہے۔

ولیِ حق، وصیِ مصطفےٰ دریائے فیضانے
امامِ دو جہانے، قبلۂ دینے و ایمانے

اندریں حالات اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ شاہ صاحب بظاہر سُنی تھے مگر باطن شیعہ تھے کیونکہ مناجات درکنار، انھوں نے اپنے پورے دیوان میں کسی جگہ صدیق اکبرؓ یا فاروق اعظمؓ کا ذکر نہیں کیا ہے اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ ہمارے زمانے میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو بظاہر سُنی ہیں مگر حضرات عثمان غنیؓ، عمرو بن العاصؓ اور معاویہؓ کی تنقیص و تحقیر و توہین میں شیعہ حضرات کے ہمنوا بھی ہیں اور اس ہمنوائی پر اصرار بھی کرتے ہیں۔

(۱۰) یہ مضمون چونکہ بہت طویل ہو چکا ہے اس لئے دیگر کتب مثلاً گلزارِ صابری مناقب المحبوبین، سبع سنابل، تذکرۃ الاولیاء، سید الاقطاب، مرأۃ الاسرار، جامع السلاسل حبیب السیر، شواہد النبوت، روضۃ الصفا، مقصد اقصیٰ، تحفۃ الراغبین، بہجۃ الاسرار زبدۃ الحقائق اور جوامع الکلم وغیرہم میں جو غلط روایات درج ہیں، ان کی تفصیل سے قلم کو روکتا ہوں۔ ان کتابوں کی اکثر روایات بالکل غلط ہیں اور اکثر روایات بہت ضعیف اور ناقابلِ اعتبار ہیں، کسی روایت کی سند بیان نہیں کی گئی ہے۔ صرف "منقول است" کے نسخہ مجرب پر عمل کیا گیا ہے۔

آخر میں ملا علی قاری کی مشہور کتاب موضوعات سے چند اقتباسات درج کرکے اس موضوع کو ختم کرتا ہوں:۔

(ا) سیرۃ النبی کا اولین مصنف ابن اسحاق چونکہ شیعہ تھا اس لئے ...... اس نے اکثر ایسی روایتیں بھی درج کر دیں جن سے اس کے مذہب کی تائید ہو سکے۔ مثلاً خیبر کا دروازہ اکھیڑنے کی روایت۔

(ب) کنت کنزاً مخفیاً الخ حدیث نہیں ہے (۱)

(ج) تاریخوں میں خلیفہ منتخب ہونے کے بعد حضرت عثمانؓ کے خطبہ نہ دے سکنے کی

۱ے اکثر صوفیا اسے حدیث سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفی، شاعر اور عاشق بالعموم محدث نہیں ہوتے۔

روایت بھی غلط ہے۔

(د) کان اللہ ولم یکن معہ شئی، یہ بھی حدیث نہیں ہے

(ک) ائمۃ الحدیث کے نزدیک حضرت علیؓ سے حسن بصری کی ملاقات اور تحصیل علم ثابت نہیں ہے۔

فان أئمۃ الحدیث لم یثبتوا للحسن البصری من علی سماعا ص۳۲

(ہ) خرقہ صوفیہ والی روایت کہ خدا نے معراج میں آنحضرتؐ کو ایک خرقہ عطا کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ جو صحابی اس کا حق ادا کر سکے اسے پہنا دینا۔ آنحضرتؐ نے حضرت صدیق اکبرؓ فاروق اعظمؓ اور عثمان غنیؓ سے فرداً فرداً سوال کیا کہ اگر یہ خرقہ تم کو دوں تو کیا کرو گے؟ ان کے جوابات سے آپ مطمئن نہ ہو سکے لیکن حضرت علیؓ کے جواب سے مطمئن ہو گئے کہ واقعی تم اس کا حق ادا کر سکو گے۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ یہ روایت بالکل غلط ہے اور معاندین صحابہؓ کی وضع کردہ ہے۔

(ز) یہ روایت کہ حضرت علیؓ کی نماز قضا ہو گئی تھی اس لئے آنحضرتؐ نے آفتاب کو حکم دیا کہ غروب ہونے کے بجائے رجعت کر اور عصر کے وقت پر قائم ہو تاکہ وہ نماز عصر وقت پر ادا کر سکیں، بھی غلط ہے[۱]

(ح) یہ روایت کہ حجۃ الوداع کے بعد آنحضرتؐ نے مجمع عام میں فرمایا کہ "علیؓ میرا وصی ہے"۔ قطعاً غلط ہے اور بے بنیاد ہے۔

(ط) یہ روایت کہ آنحضرتؐ نے ام المومنین سیدۃ النساء العالمین حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہؓ سے فرمایا تھا کہ "علیؓ کے خلاف خروج مت کرنا"

پھر آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ عائشہ خروج کرے تو تم ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا سراسر کذب اور افترا ہے اور ام المومنینؓ کے دشمنوں کی وضع کردہ ہے۔

---

[۱] یہ عاجز حضرت علیؓ کی عزت ملحوظ خاطر رکھ کر عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہے کہ رجعت شمس اگر ہوتی تو اس دن ہوتی جب خود آنحضرتؐ اور تمام صحابہؓ کی چار نمازیں قضا ہو گئی تھیں لہٰذا اس روایت پر عقلی اعتبار سے وہ اعتراض لازم آتا ہے جسے ارباب منطق ترجیح بلا مرجح کہتے ہیں۔ فافہم وتدبر

(ی) یہ روایت کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو کچھ اسرار اور باطنی علوم سکھائے تھے جو دوسرے صحابہؓ کو نہیں سکھائے۔ بالکل غلط ہے[1]

ملا علی قاری کے اس قول پر کہ "روافض نے حضرت علیؓ کے فضائل میں صرف ۳ لاکھ روایات وضع کی تھیں" اس اقتباس کو ختم کرتا ہوں۔

میرا مقصد اس اقتباس سے یہ ثابت کرنا تھا کہ میں نے جو کچھ اس بحث میں لکھا ہے اس کی تائید و توثیق ایک ایسے ماہر فن کی طرف سے ہو جائے جس نے اپنی ساری عمر احادیث کے پرکھنے میں گزاری تھی۔ اگر ناظرین ملائے موصوف کی کتاب کا مطالعہ کریں تو جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ اس سے زیادہ خود لکھ سکیں گے بشرطیکہ تعصب مانع نہ ہو جائے۔

استدراک

بخوف طوالت میں نے علم الاعداد کا تعارف نہیں لکھا۔ اب خیال آیا کہ اتنی وضاحت ضرور کر دینی چاہئے کہ باطنیہ نے یہ علم ایجاد کیوں کیا تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے عوام کے اذہان و قلوب کو کسی قیل و قال کے بغیر بہت جلد اور بہت آسانی سے متاثر کیا جا سکتا ہے۔ ذیل میں اس کی چار مثالیں درج کرتا ہوں۔

(۱) شیعوں کے بارھویں مزعومہ امام کی پیدائش ۲۵۶ھ میں بیان کی جاتی ہے، اس کی عظمت روحانی کا ثبوت برہان کے بجائے علم الاعداد کی مدد سے مہیا کیا گیا۔ عوام کو بتایا گیا کہ دیکھو! "نور" کے عدد بھی ۲۵۶ ہیں اس لئے ثابت ہوا کہ وہ نور ہے۔

(۲) بہاء اللہ (بانی مذہب بہائی) نے ۱۲۶۱ھ میں "ظہور حق" ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کے پیروؤں نے عوام کو مسحور کرنے کے لئے دلیل یہ دی کہ دیکھو! یہ ظہور الحق (بہاء اللہ کے لقب) کے عدد بھی ۱۲۶۱ ہی ہیں!

---

[1] یہ کم سواد عرض کرتا ہے کہ آنحضرتؐ بحیثیت رسولؐ ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ اسلام میں کوئی رمز (بھید) نہیں، کوئی راز نہیں، کوئی خفا نہیں، کوئی رمز و کنایہ نہیں۔ برعکس ازیں اس کی تعلیم بالکل واضح بین اور عیاں ہے اور اس کی پیش کردہ کتاب بھی بالکل واضح اور روشن اور جلی ہے چنانچہ "تلک آیات الکتاب المبین" میرے دعوے پر شاہد ہے۔ یہ اسرار و رموز تو باطنیہ نے اسلام میں داخل کئے ہیں جن میں جہلا گرفتار ہو گئے اور اللہ و رسول سے بیزار ہو گئے (یوسف)

(۳) ی سے عدد ۱۸ ہیں۔ اس لئے ۱۴ معصومین اور ۴ ابواب یعنی یہ ۱۸ افراد بھی زندہ ہیں۔

(۴) بسم اللہ الرحمن الرحیم کے حروف ۱۹ ہیں۔ اس لئے ۱۹ کا عدد مبارک ہے۔ اسی لئے بہائیوں کا مہینہ ۱۹ دن کا ہوتا ہے۔

(۵) چونکہ ۹ کا عدد کامل ہے اس لئے جس شہر میں ۹ آدمی بہائی ہو جائیں۔ وہاں بہائی محفل قائم کی جاسکتی ہے۔

(ماخوذ از باب کی نئی تاریخ مؤلفہ براؤن ضمیمہ دوم صہ ۳۲۵ تا صہ ۳۳۹)

قارئین کی آگاہی کے لئے مختصر طور پر یہ کہے دیتا ہوں کہ باطنیہ نے اپنا مذہب جن فلسفیانہ افکار و تصورات کی مدد سے مدون کیا تھا۔ ان میں فیثا غورث کے افکار بھی شامل تھے اور جیسا کہ فلسفے کے ہر طالب علم کو معلوم ہے، فیثا غورث نے اپنے فلسفے کی بنیاد اعداد پر رکھی تھی اور یہ قول کہ نو ۹ کا عدد کامل ہے اسی کا ہے مزید معلومات کے لئے مغربی فلسفے کی کسی مستند تاریخ کا مطالعہ کر لیا جائے۔

اس عاجز نے اس مضمون میں کئی جگہ یہ لکھا ہے کہ

(ا) صوفیا بالعموم صیرفی حدیث نہیں ہوتے۔ اس لئے اکثر مواقع میں مقولے اور حدیث میں فرق نہیں کر سکتے۔

(ب) بزرگان سلسلہ کے ملفوظات پر تنقید سوء ادب سمجھتے ہیں یعنی جو باتیں ان سے منسوب کر دی جاتی ہیں انہیں بلا تحقیق قبول کر لیتے ہیں۔

چونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ قارئین میرے اس رجحان یا نقطۂ نظر کو گستاخی پر محمول کریں گے اور اس طرز بیان کو "چھوٹا منہ بڑی بات" سے تعبیر کریں گے۔ اس لئے میں ذیل میں ایک ایسے شخص کے ارشادات درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو اگر ایک طرف دار العلوم دیوبند میں شیخ الحدیث تھا تو دوسری طرف سلوک تصوّف میں اتنا بلند مقام رکھتا تھا کہ حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ لاہوری نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا تھا کہ میں ان کی کفش برداری کے لائق بھی نہیں ہوں۔ میری مراد حضرت اقدس سیدی و مرشدی شیخ العرب والعجم مولانا الحاج الحافظ سید حسین احمد مدنیؒ سے ہے۔ جنہوں نے ۱۴ سال تک مسجد نبوی میں حدیث کا درس دیا تھا حضرت اقدس اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

صوفیہ کی کتابوں میں "رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر"

کو صحیح حدیث کہا گیا ہے۔ لیکن عسقلانی کا قول ہے کہ امام نسائی نے اسے ابراہیم بن عبلہ

کا کلام بتایا ہے۔ الفاظ کی رکاکت زبردست قرینہ ہے کہ یہ آنحضرت صلعم کا قول نہیں

ہو سکتا اور نہ حدیث کی متداول کتابوں میں شاہ عبدالعزیزؒ جیسے متبحر محدث نے دیکھا

ہے۔ پس احادیث اور غیر احادیث کا فیصلہ محدثین کے اصول و قواعد کی رو سے کیا جائیگا

کیونکہ ہر فن میں صاحب فن کی رائے اگر تسلیم نہ کی جائے تو امان اٹھ جائے گا اور

شریعت کا بھرم جاتا رہے گا۔ بے چارے صوفیہ جن پر حسنِ ظن کا غلبہ ہوتا ہے بھلا

ان حضرات کو تنقید و تفتیش کی کہاں فرصت اور انہیں نہ اس کی عادت ہے۔ پس

جو سن لیا یا دیکھ لیا، اسے باور کر لیا، ان کے اس حسنِ ظن سے کسی قول کا حدیث رسولؐ

ہونا ثابت نہیں ہو جائے گا۔" (مکتوبات شیخ الاسلام جلد اوّل صد ۳۰۰ و صد ۳۰۹)

اگرچہ میرے زاویہ نگاہ کی تصویب و تصدیق کے لئے یہی اقتباس کافی ہے تاہم مزید اطمینان

کے لئے ایک اقتباس اور پیش کئے دیتا ہوں حضرت اقدس فرماتے ہیں:۔

"عرض ہے کہ یہ اکابر (حضرت بابا فریدؒ اور حضرت محبوب سبحانیؒ) علم طریقت اور

تصوف کے ائمہ عظام ہیں لیکن علم ظاہر اور شریعت کے امام نہیں ہیں۔ اس

کے امام حضرت ابوحنیفہ و محمد و ابو یوسف اور دیگر فقہائے کرام ہیں۔ اس بارے میں

(سجدۂ تعظیمی کے بارے میں) ان حضرات کا قول و فعل حجت ہوگا۔ حضرات شیخ عبدالقادرؒ

جیلانیؒ، جنید بغدادیؒ، خواجہ بہاؤالدینؒ نقشبند اور خواجہ معین الدین اجمیریؒ

کے اقوال، فتاویٰ اور اعمال حجت نہیں ہوں گے۔ اگرچہ یہ حضرات علم طریقت کے سب

سے اونچے پہاڑ ہیں۔ (مکتوب ۸۸ از مکتوبات شیخ الاسلام جلد سوم صد ۲۲۵)

حضرت اقدسؒ کے ان ارشادات اور ان کی ان تصریحات کی روشنی میں یہ بات

ثابت ہو گئی کہ میرا زاویہ نگاہ بالکل درست ہے، الحمدللہ علی ذالک۔

میں نے اس مضمون میں کئی جگہ اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ اسمٰعیلیہ باطنیہ فرقے

نے صوفیوں کے لباس میں اپنے خیالات کی اشاعت کی جس کی وجہ سے خالص اسلامی

تصوف میں باطنی روایات اور عقائد کی اس طرح آمیزش ہو گئی کہ آج اکثر سنی صوفیا ان روایات

اور ان عقائد کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ اس کی تائید میں ایک شیعہ مصنف کی کتاب سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

پروفیسر سید حسین نصر (تہران یونیورسٹی) نے حال ہی میں ایک کتاب انگریزی میں لکھی ہے جس کا نام ہے (IDEALS AND REALITIES OF ISLAM) اسلام کے مطامح نظر اور حقائق۔ وہ ــــ رہا ہے۔

"منگولوں کے حملے کے دور میں ایران میں اسمٰعیلی طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس عہد میں اسمٰعیلیت مستور ہو گئی۔ اور بہت سے علاقوں میں صوفیوں کے سلسلوں میں ظاہر ہوئی (تاکہ اس کے دعاۃ مخالفت سے محفوظ رہ سکیں۔ دراصل اس زمانے میں تصوف اور اسمٰعیلیت میں اتحاد کی ایک مستقل صورت پیدا ہو گئی تھی جس کا تحقیقی مطالعہ ابھی تک نہیں کیا گیا ہے۔" صـ ۱۶۰-۱۵۹

"اثنا عشری شیعیت میں مذہب کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں کو بالخصوص اہمیت دی گئی ہے اور اس اعتبار سے وہ تصوّف کی ہمنوا ہے۔" صـ ۱۶۱

"تصوّف اور تشیع دونوں کی تعلیم یہ ہے کہ "نورِ محمدی" آدم سے لے کر ہر نبی کی ذات میں موجود رہا ہے۔" صـ ۱۶۲

"اسمٰعیلیت اور تصوّف دونوں کی تعلیم یہ ہے کہ اصل اعلیٰ (SUPREME PRINCIPLE) بیک وقت موجود بھی ہے اور فوق الوجود بھی ہے۔" صـ ۱۶۹

پروفیسر مرزا محمد سعید اپنی محققانہ تصنیف "مذہب اور باطنی تعلیم" میں لکھتے ہیں کہ "ہماری رائے میں اس بات کے باور کرنے میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا کہ اس مقبولیت سے فائدہ اٹھا کر، جو تصوّف کو ایران میں بارھویں صدی سے پندرھویں صدی عیسوی تک حاصل تھی، بہت سے نزاری (اسمٰعیلی) مبلغ صوفیا اور درویشوں کے لباس میں عوام کو مسخر کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں" صـ ۳۲۸

نیز اسی صفحے پر لکھتے ہیں "یہ مان لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہو سکتا کہ بعض اسمٰعیلی مبلغ تصوّف کا ظاہری جامہ پہن کر عوام الناس کی ارادت اور عقیدت حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور بعض جماعتیں مثلاً اناطولیا کے بیلتاشی یا کشمیر کے نور بخشی جو سلوک وطریقت کا دعویٰ کرتی ہیں، درحقیقت شیعہ باطنیہ خیالات سے ملوث ہیں" صـ ۳۲۸